www.urducouncil.nic.in

ستمبر 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

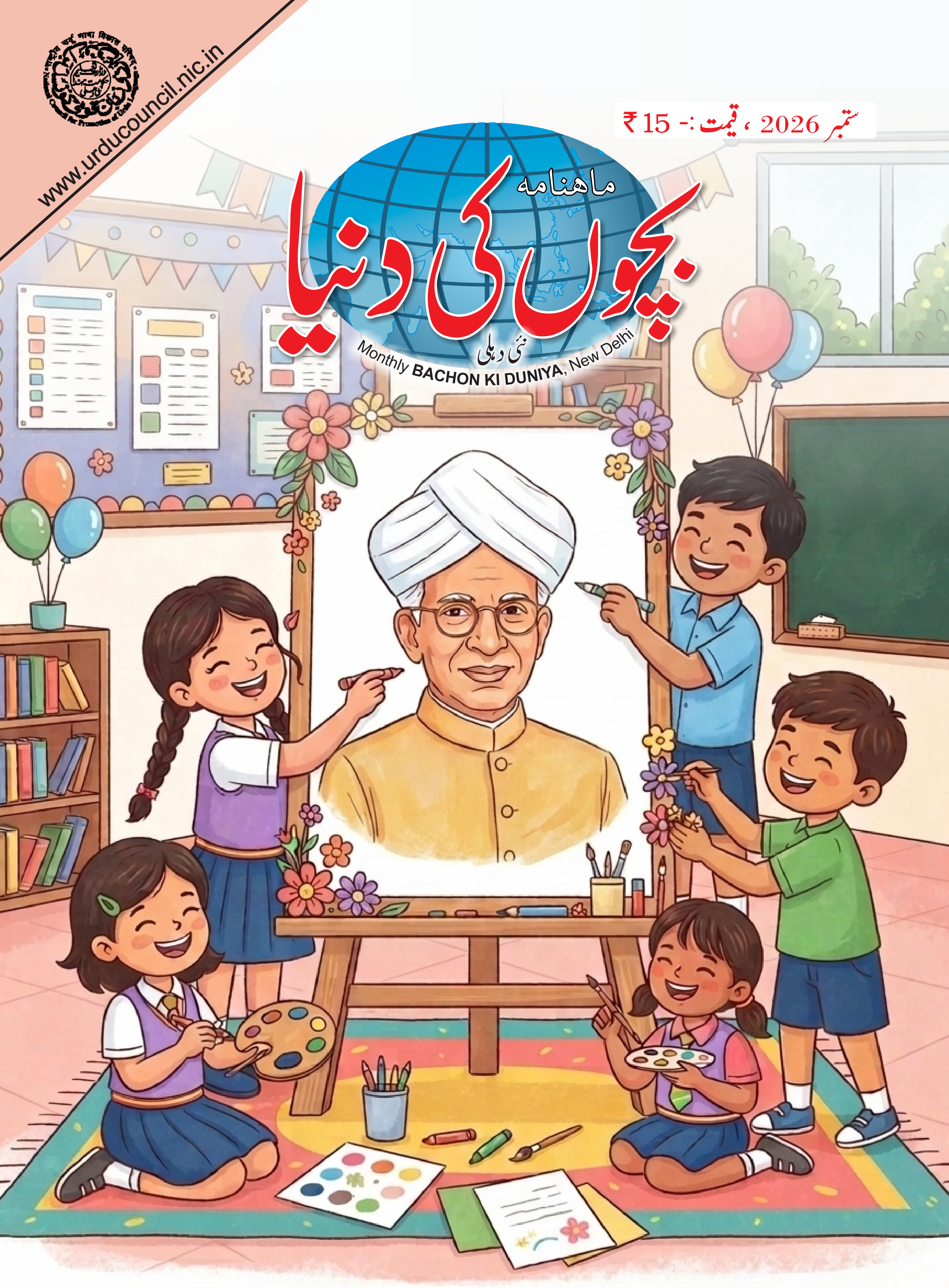

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق ’خبرنامہ‘ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

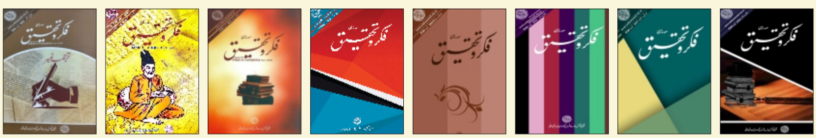

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا
نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 09 ستمبر 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 011-35151992
شعبہ ادارت: 011-35152009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا- 201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ: -/145 روپے

قلمکاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل
اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

’بچوں کی دنیا‘ کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی- 110066
فون: 011-26109746
ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	یوم اساتذہ	
اسکول ٹیچر	فراغ روہوی	07
استاد کی عظمت اور ہماری زندگی	تبسم حیات	08
فاطمہ الفہری : ایک مثالی خاتون	محمد توقیر عالم نظمی	12
ملک وقوم کے معمار : اساتذہ	ارشاد احمد عبدالقیوم	15
ٹیچرس ڈے	محمد نجیب پاشا	17
استاد کی عظمت	جاوید رانا	19
استاد	احمد جمیل	20
	مضامین	
15 منٹ کا شہر	اسید اشہر	21
مسکراہٹ	محمد قاسم کنتور	24
	نظمیں	
تمنا	کوثر صدیقی	27
چھی چھی چھی	عطاء الرحمٰن طارق	28
اترے میری چھت پر چاند	خلیق الزماں نصرت	28
چلبلی غزل	مناظر حسن شاہین	29
ماحول کی پکار	علیم طاہر	30
گاؤں ہمارا	مصباح الدین طارق	31
ویڈیو کال نہیں کرنا ہے	عاتکہ ماہین	32
اتحاد	مقصود خاں علیگ	33
	کہانیاں	
بیربل اور لے پالک	ثریا جبیں	34
چالاک مگرمچھ اور عقلمند گیدڑ	ولی محمد قاضی	38
امی کی واپسی	زیبا فاروقی	40
دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں	مہرین فاطمہ	42
	باتصویر کہانی	
انوکھے شکاری (آخری قسط)	شمس الاسلام فاروقی	45
	سائنس	
صاف ماحول، محفوظ مستقبل	نوی رضا خان	52
	صحت	
گہری سانس کے فوائد	عبدالمجید مکرو	55
	تعارف وتبصرہ	
روبوٹ	اقبال برکی/شاداب شمیم	57
	جنرل نالج	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	59
	کہکشاں	
چمن چمن کے پھول		60
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		61

پیارے بچو! کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کی اہمیت اور پاکیزگی کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں، ان رشتوں میں والدین کے بعد ایک اہم اور مقدس رشتہ استاد کا ہے۔ استاد سماج میں اس مشعل راہ کی مانند ہوتا ہے جس کی روشنی کبھی مدھم نہیں ہوتی۔ وہ ہمیں تاریکی سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے، ہمارے دلوں میں علم کی شمع روشن کرنے کے ساتھ ہمارے اخلاق و عادات کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے اور زندگی کے اتار چڑھاؤ سے مقابلہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔

بچو! جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ہم ٹیچرس ڈے اپنے اساتذہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے مناتے ہیں۔ یہ دن ہمارے لیے ان مہربان اساتذہ کو یاد کرنے کا ہے جن کی محنت، لگن اور شفقت کے باعث نوجوان اپنا مستقبل سنوارتے اور اپنے خوابوں کو پورا کرتے ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ استاد صرف کتابی علم نہیں دیتا بلکہ انسان کو انسان بناتا ہے اور طالب علم کی صلاحیت کو پہچان کر اسے ترقی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کے دل میں خود اعتمادی، امید اور محنت کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔

بچو! آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں یوم اساتذہ 5 ستمبر کو منایا جاتا ہے۔ 5 ستمبر 1888 کو ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک اچھے استاد ہونے کے ساتھ عظیم اسکالر، ماہر تعلیم، فلاسفر، ڈپلومیٹ اور ہندوستان کے دوسرے صدر جمہوریہ تھے۔ جب وہ ملک کے صدر منتخب ہوئے تو ان کے شاگردوں نے یوم پیدائش منانے کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ اگر میری یوم پیدائش کو یوم اساتذہ کے طور پر مناؤ تو مجھے بے حد خوشی ہوگی، اس وقت سے یوم اساتذہ پورے ملک میں جوش و خروش اور اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

بچو! موجودہ دور استاد اور شاگرد دونوں کے لیے چیلنجز سے بھرا ہے۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مصنوعی ذہانت اور ڈیجیٹل دنیا نے تعلیم کے طریق کار کو بدل دیا ہے۔ علم کے حصول کے لیے مختلف ذرائع ہمارے سامنے موجود ہیں، جن سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنی معلومات میں اضافہ بھی کر رہے ہیں، تاہم ان سب کے باوجود معلومات کو صحیح طریقے سے سمجھنے کی صلاحیت استاد ہی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے جدید دور کے استاد کی حیثیت مربی کی بھی ہو جاتی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی اور موسمیاتی تبدیلی بھی آج کا ایک اہم مسئلہ ہے، ان سے ہم خود کو کیسے محفوظ رکھیں اور ہمارے اندر بیداری ہو، اس تعلق سے بھی ہمارے اساتذہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایک طالب علم کی زندگی میں کئی بار ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب وہ مایوسی اور ناکامی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ایک استاد اپنی ذمے داریوں کو سمجھتے ہوئے ایسے طالب علم کو ناکامیوں سے نکلنے کا راستہ بتاتا ہے اور ان کو روشن مستقبل کا خواب دکھاتے ہوئے رہنمائی بھی کرتا ہے۔

پیارے بچو! اساتذہ پر نسل نو کو تعلیم یافتہ بنانے اور ان کے مستقبل کو سنوارنے کی اہم ذمے داری ہوتی ہے۔ وہ جس خلوص اور نیک جذبے کے ساتھ بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں واقعی وہ لائق تحسین ہے۔ اس لیے اس دن کو صرف ایک تقریب یا رسم کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ اساتذہ کے احترام اور ان کی خدمات کے اصل اعتراف کا دن ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ٹیچرس ڈے کے موقعے پر ہم اپنے اساتذہ کو یاد کریں اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اپنا مستقبل روشن کریں اور وکست بھارت 2047@ میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔

یوم اساتذہ کی مناسبت سے ستمبر 2026 کے شمارے میں کچھ تحریریں شامل کی گئی ہیں ان کے مطالعے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اساتذہ کسی بھی معاشرے کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ اگست 2026 موصول ہوا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس شمارہ میں صفحہ 30 پر میری نظم 'دوستی کیجیے کتابوں سے' شامل اشاعت ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے مدیر محترم کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ادب اطفال کا ترجمان ہے۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، ذہنی نشو و نما اور کردارسازی میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ بہت معاون اور کارآمد ہے۔ یوم آزادی کی مناسبت سے یہ شمارہ بہت اہمیت، معنویت اور افادیت کا حامل ہے۔ اداریہ کی تحریر بہت معنی خیز اور بصیرت افروز ہے۔ اس شمارہ کا سرورق بھی بہت خوبصورت، دیدہ زیب اور پرکشش ہے۔ شمارہ کی تمام منثور اور منظوم تخلیقات اور نگارشات لائق مطالعہ اور قابل ستائش ہیں۔ تخلیق کاروں کے لیے یہ بات باعث فخر ہے کہ ان کی تخلیق کی اشاعت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے معتبر اور موقر رسالہ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں ہوئی ہے۔ ہر تخلیق کار کو چاہیے کہ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنائیں اور اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت، اردو کی ترقی، بقا، تحفظ اور فروغ میں اپنا کردار نبھائیں جس سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو مزید تقویت حاصل ہو۔ پوری ادارتی ٹیم کی مدیرانہ خدمات کو سلام!

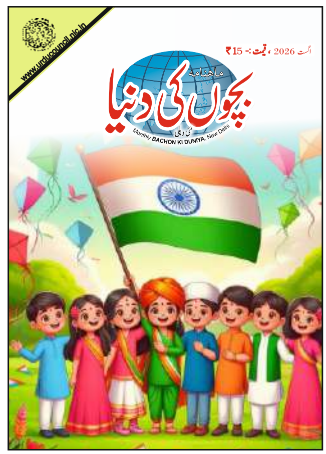

یاسین انصاری، اٹاوہ، یوپی، موبائل: 9690433139

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جولائی 2026 کا تازہ شمارہ موصول ہوا، ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی آپ کی پوری ٹیم نے بچوں کے لیے ایک شاندار گلدستہ تیار کیا ہے۔ اس شمارے میں سات بہترین نظمیں شامل کی گئی ہیں جو مختلف موضوعات پر مبنی ہیں: کسانوں کا گیت (جگن ناتھ آزاد)، یہ نظم بچوں کے دلوں میں ملک کے ان داتا یعنی کسانوں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

چھٹیاں کیسے گزاریں (محمد رفیع انصاری)، یہ بچوں کو اپنی تعطیلات کا مثبت اور تعمیری استعمال سکھاتی ہے۔

تھک جاتا ہوں (محمد وزیر عالم)، بچوں کی نفسیات اور ان کی روزمرہ کی تھکن کی خوبصورت عکاسی ہے۔

کباڑی چاچا (فہیم احمد) اور بادل (وقیع منظر) بچوں کو اپنے اردگرد کے ماحول اور مناظرِ فطرت سے جوڑتی ہیں۔

کتابیں دوست ہیں میری (نعیم خان نعیم آکوٹوی)

مطالعے کی عادت کو فروغ دینے کے لیے یہ ایک بہترین اوراثر انگیز نظم ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ رسالے میں صرف کہانیاں ہی نہیں، بلکہ 'سوشل میڈیا اور بدلتا ہوا معاشرہ' اور 'سیلفی کے فوائد و نقصانات' جیسے اہم موضوعات شامل کیے گئے ہیں۔آج کل کے بچوں کو ان ڈیجیٹل خطرات سے آگاہ کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

سید شمیم احمد مدنی کا مضمون 'ہم اور ہمارے سمندر' سائنسی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ماحول کی حفاظت کا بہترین شعور دیتا ہے۔ایسے مضامین بچوں میں سائنسی سوچ کو بیدار کرتے ہیں۔

محمد اسداللہ کا کالم 'لفظوں کی پہچان' اور سید بدرالحسن کا 'ملتے جلتے الفاظ' بچوں کے اردو املا اور گرامر کو درست کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔اس کالم کو مستقل جاری رہنا چاہیے۔

شمس الاسلام فاروقی کی باتصویر کہانی 'انوکھے شکاری' (قسط 1) بہت دلچسپ ہے۔اس طرح کی کہانیاں چھوٹے بچوں کی دلچسپی میں اضافہ کرتی ہیں۔

محض 15 روپے میں اتنا معلوماتی اور خوبصورت رسالہ فراہم کرنے پر قومی اردو کونسل مبارکباد کی مستحق ہے۔

محمد توقیر عالم نظمی، بلادِ آدم، ویشالی 843114 (بہار)
موبائل نمبر: 9771759436

آج کے اس تیز رفتار اور ڈیجیٹل دور میں، جہاں بچے زیادہ تر موبائل فون اور انٹرنیٹ کی دنیا میں مصروف رہتے ہیں، ایسے میں 'بچوں کی دنیا' جیسے معیاری رسائل کا وجود نہایت اہم اور قابلِ تحسین ہے۔یہ رسالہ نہ صرف بچوں کو صحت مند تفریح فراہم کرتا ہے بلکہ ان کی علمی، ادبی، اخلاقی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بھی جِلا بخشتا ہے۔اس میں شامل دلچسپ کہانیاں، سبق آموز مضامین، خوبصورت نظمیں، معلوماتی مضامین، سائنسی حقائق، سوال و جواب، پہیلیاں اور دیگر دلچسپ سلسلے بچوں کی ذہنی نشوونما میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔

یہ رسالہ مجھے اس لیے بھی پسند ہے کہ اس میں بچوں کی دلچسپی اور ان کی عمر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا جاتا ہے۔زبان نہایت سادہ، شائستہ اور دلکش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بچے آسانی سے مضامین کو سمجھتے اور ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔یہی خصوصیت اس رسالے کو دوسرے بچوں کے رسائل سے ممتاز بناتی ہے۔

یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ رسالہ بچوں میں مطالعے کی عادت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق، حب الوطنی، انسان دوستی، ماحولیات کے تحفظ، سچائی، محنت اور دیانت داری جیسے اعلیٰ انسانی اوصاف کو فروغ دیتا ہے۔ایسے مضامین اور کہانیاں بچوں کی شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں اور انھیں ایک ذمہ دار شہری بننے کی ترغیب دیتی ہیں۔

آخر میں، میں رسالے کے مدیر، ادارتی عملے اور تمام قلمکاروں کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ بچوں کے لیے ایک ایسا معیاری اور مفید رسالہ مسلسل شائع کر رہے ہیں جو علم، ادب اور اخلاق کا حسین امتزاج ہے۔میری دعا ہے کہ 'بچوں کی دنیا' ترقی کی نئی منزلیں طے کرے اور آنے والی نسلوں کی بہترین رہنمائی کا ذریعہ بنتا رہے۔

جاوید قمر، فیروز آباد، اتر پردیش، موبائل نمبر: 8791566220

فراغ روہوی

اسکول ٹیچر

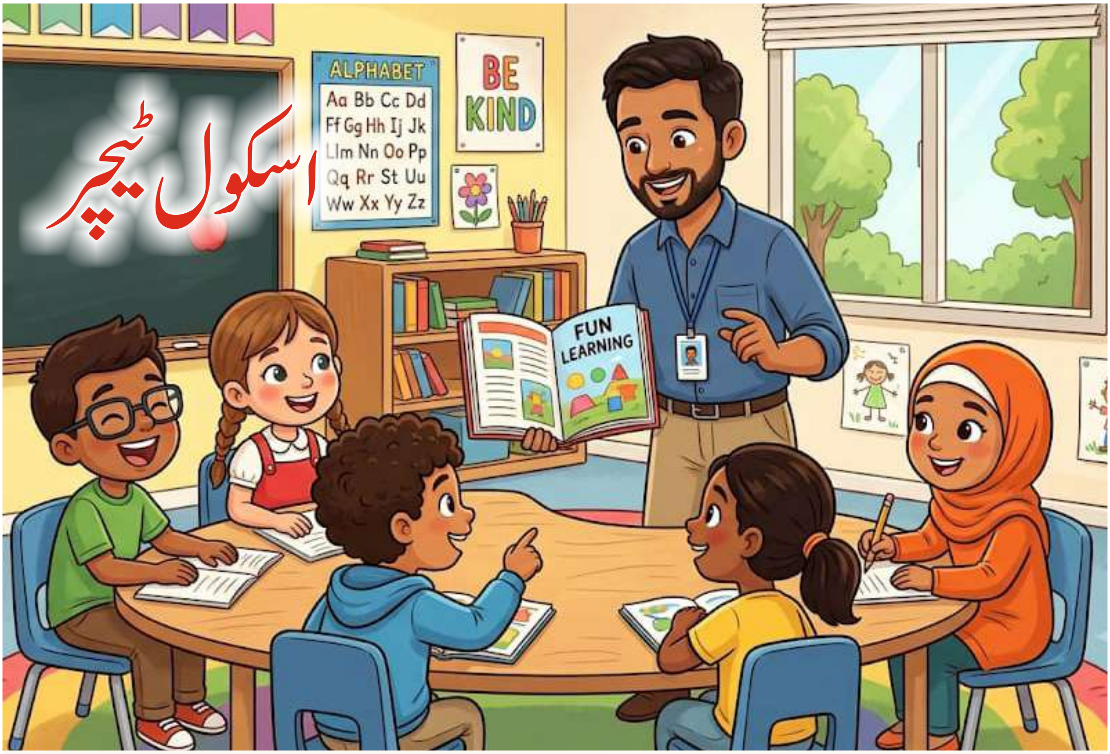

اسکول کے ہمارے
استاد پیارے پیارے
ہم کو پڑھا رہے ہیں
انساں بنا رہے ہیں
کیا کیا نہیں سکھایا
یوں حوصلہ بڑھایا
بات ان سنی بتائی
دنیا نئی دکھائی
کی دور ہر برائی
تہذیب بھی سکھائی
کرنا نہیں لڑائی
ہوتی ہے جگ ہنسائی

ہوتے ہیں باپ سایہ
ان سے یہ درس پایا
تعلیم کا اثر ہے
اونچا ہمارا سر ہے
ان کا جو یہ عمل ہے
احسان بے بدل ہے
ان کی کریں گے عزت
پاتے رہیں گے شفقت
خوبی فراغ نے بھی
استاد کی بیاں کی

■

ماخذ: ریختہ ڈاٹ او آر جی

تبسم حیات

استاد کی عظمت اور ہماری زندگی

پیارے بچو! وہ دن یاد کریں جب آپ نے اپنے پسندیدہ استاد کے لیے اپنے ننھے منّے ہاتھوں سے گریٹنگ کارڈ بنایا تھا یا وہ دن یاد کریں جب آپ کے استاد نے آپ کی چھوٹی سی کامیابی پر پوری کلاس سے آپ کے لیے تالیاں بجوائی تھیں۔ اس دن کیسی خوشی محسوس ہوئی تھی؟ اس دن لگا ہوگا کہ جیسے آپ دنیا کے سب سے خاص بچے ہیں۔ اس طرح کے احساسات، خوشیاں اور اعتماد ہمیں صرف اور صرف ایک استاد ہی دے سکتا ہے۔

ذرا تصور کریں کہ جس اسکول میں آپ پڑھنے جاتے ہیں، اس اسکول میں شاندار کلاس رومز، خوبصورت کتابیں، کھیل کا بڑا سا میدان، رنگ برنگی دیواریں اور اسمارٹ بورڈ بھی ہوں، لیکن وہاں آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے کوئی استاد نہ ہو تو کیا اسکول میں مزہ آئے گا؟ نہیں، بالکل نہیں۔ اسکول کی خوبصورتی اور تعلیم و تربیت کی چیزیں بے جان ہوتی ہیں۔ استاد ہی کی ذات ہے جو اسکول کی بے جان عمارتوں اور وہاں کی چیزوں میں جان ڈال دیتی ہے۔ وہ صرف کتابیں نہیں پڑھاتا بلکہ ہماری زندگی کے کینوس پر خوبصورت رنگ بھرتا ہے۔

ہم اپنے استاد کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ہر سال یومِ اساتذہ (Teacher's Day) مناتے ہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں یہ دن ہر سال 5 ستمبر کو انتہائی جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ یہ دن ایک بہترین استاد

اور سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کے یومِ پیدائش کے موقعے پر منایا جاتا ہے۔ وہ تعلیم سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ بہترین دماغوں کو ہی تدریس کے پیشے میں آنا چاہیے۔ ان کے شاگردوں نے جب ان کا یوم پیدائش منانے کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے بڑی عاجزی سے کہا:

"میرا یومِ پیدائش منانے کے بجائے اگر اس دن کو اساتذہ کے دن کے طور پر منایا جائے تو مجھے زیادہ فخر محسوس ہوگا۔"

ان کی اسی بے لوث محبت کی وجہ سے 5 ستمبر اساتذہ کے احترام کا عالمی دن بن گیا۔

پیارے بچو! استاد اس چراغ کی طرح ہے جو اندھیرے کمرے میں اجالا کر دیتا ہے، جس طرح ایک چراغ جلنے کے بعد روشنی بکھیرتا ہے تا کہ دوسروں کو راستہ دکھا سکے بالکل اسی طرح استاد عیش و آرام اور اپنے قیمتی وقت کی قربانی دے کر اپنے شاگردوں کے مستقبل کو روشن کرتا ہے۔ وہ ایک ہی سبق کو اس طرح دہراتا ہے کہ بچوں کی سمجھ میں آجائے۔ وہ ہماری کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے، لیکن ہمارے تعلق سے مایوس نہیں ہوتا بلکہ ہماری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

استاد کو مالی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک مالی باغ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گلاب کے پودے کو کتنی دھوپ اور چنبیلی کو کتنا پانی چاہیے۔ وہ ننھے منے پودوں کو وقت پر پانی دیتا ہے۔ انھیں دھوپ اور کیڑوں سے بچاتا ہے اور ایک دن انھیں مضبوط اور پھل دار درخت بنتے دیکھتا ہے۔ بالکل ویسے ہی استاد بچوں کی ذہنی اور اخلاقی نشو ونما کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سبھی بچے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کوئی حساب میں اچھا ہے تو کوئی ڈرائنگ میں، کوئی کھیل کود میں تیز ہے تو کوئی کہانیاں لکھنے میں۔ ایک اچھا استاد ہر بچے کے اندر چھپی صلاحیت کو پہچانتا ہے اور اسے نکھار کر دنیا کے سامنے لاتا ہے۔

پیارے بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ بلب ایجاد کرنے والے مشہور سائنس دان تھامس ایڈیسن کو بچپن میں اسکول سے ایک خط دے کر نکال دیا گیا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تھامس ایڈیسن کا ذہن کمزور ہے اور وہ مزید پڑھ نہیں سکتا، لیکن اس کی والدہ نے جو اس کی استانی بھی تھیں، اس خط کو چھپا لیا اور ایڈیسن پر محنت کرنے لگیں۔ انھوں نے اپنے بچے کا حوصلہ بڑھایا اور اسے یقین دلایا کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ایک استاد کے اسی یقین اور محنت نے ایک عام اور کمزور سمجھے جانے والے بچے کو دنیا کا سب سے بڑا سائنسداں بنا دیا۔ آج ہم جو راتوں کو روشنی دیکھتے ہیں وہ دراصل ایک استانی کی اپنے شاگرد پر کی گئی محنت کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح آپ نے ہیلن کیلر کا نام بھی سنا ہوگا۔ ہیلن ایک ایسی بچی تھی جو بچپن ہی سے نہ دیکھ سکتی تھی، نہ سن سکتی تھی اور نہ بول سکتی تھی۔ ذرا سوچیں کہ اس کی اندھیری دنیا کتنی خوفناک ہوگی، لیکن پھر اس کی زندگی میں این سلیوان (Anne Sullivan) نام کی ایک استانی آئیں۔ انھوں نے ہیلن کے ہاتھوں پر انگلیاں پھیر کر اسے حروف سکھائے، اسے پانی کا احساس دلا کر پانی سے روشناس کرایا۔ اس استانی کی محبت اور صبر کا نتیجہ تھا کہ ہیلن کیلر دنیا کی بہت بڑی مصنفہ اور مقرر بن گئیں۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی استاد کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ دنیا کو فتح کرنے والے مشہور بادشاہ سکندرِ اعظم (Alexander the Great) کا استاد ایک بہت بڑا فلسفی ارسطو تھا۔ سکندرِ اعظم اپنے استاد کی بہت عزت کرتا تھا، اس کا ایک مشہور قول ہے:

''میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا (یعنی مجھے جنم دیا)، لیکن میرا استاد ارسطو مجھے زمین سے آسمان کی بلندیوں تک لے گیا۔ اگر میرے باپ اور استاد دونوں کو بیک وقت میری ضرورت ہو تو میں پہلے اپنے استاد کے پاس جاؤں گا۔''

یہ وہ عزت اور مقام ہے جو تاریخ نے ہمیشہ ایک استاد کو دیا ہے۔

پیارے بچو! استاد ریاضی کے فارمولے سکھانے، تاریخ سے واقف کرانے اور سائنس کے تجربات سے آگاہ کرنے کے علاوہ وہ ہمیں سچ بولنا، وعدہ نبھانا اور دوسروں کی مدد کرنا بھی سکھاتا ہے۔ فرض کریں کہ آپ کی کلاس میں ایک دوست اپنا لنچ باکس لانا بھول گیا ہے یا اس کی پنسل ٹوٹ گئی ہے۔ آپ کیا کریں گے؟ یقیناً آپ اپنا لنچ اس کے ساتھ بانٹ لیں گے اور اسے اپنی پنسل دے دیں گے۔ یہ ہمدردی اور تعاون کا سبق ہم اکثر اپنے اساتذہ سے ہی سیکھتے ہیں۔ اسپورٹس ڈے کے دن جب آپ کوئی ریس ہار جاتے ہیں تو کون آکر آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے:

''کوئی بات نہیں، اگلی بار تم ضرور جیتو گے؟''

وہ آپ کا استاد ہوتا ہے۔ وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہار کو کیسے تسلیم کرنا ہے اور ایک کامیاب انسان بننے سے پہلے ایک اچھا اور ہمدرد انسان بننا کتنا ضروری ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچے استاد کی ڈانٹ سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ انھیں لگتا ہے کہ استاد بہت سخت ہے، وہ ہوم ورک زیادہ دیتا ہے یا غلطی پر سرزنش کرتا ہے۔ مگر بچو! کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ اس سختی کے پیچھے کیا چھپا ہوتا ہے؟ ایک مجسمہ ساز کو دیکھیں۔ جب وہ پتھر سے ایک خوبصورت مجسمہ بناتا ہے تو وہ بار بار پتھر پر ہتھوڑی اور چھینی کی ضربیں لگاتا ہے۔ پتھر کو تو تکلیف ہوتی ہوگی، لیکن جب مجسمہ تیار ہوتا ہے تو دنیا اس کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ استاد بھی اسی مجسمہ ساز کی طرح ہوتا ہے اور اس کی ڈانٹ چھینی کی وہ ضربیں ہیں جو آپ کی خامیاں دور کر کے آپ کو ایک شاندار انسان بناتی ہیں۔

ذرا سوچیں! ایک کوچ اپنے کھلاڑی سے بار بار پریکٹس کرواتا ہے۔ اسے دھوپ میں دوڑاتا ہے تاکہ وہ میچ جیت سکے۔ اسی طرح ایک استاد آپ کی غلطی پر اس لیے ٹوکتا ہے کہ آپ اس سے سبق لیں تاکہ زندگی کے کٹھن میدان میں کبھی آپ کو ہار کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کی ڈانٹ میں آپ کی کامیابی اور والدین جیسی بے لوث محبت چھپی ہوتی ہے۔

پیارے بچو! آج کے جدید دور میں موبائل فون، انٹرنیٹ اور آرٹیفیشل انٹیلی جینس (AI) نے معلومات کا حصول بہت آسان کر دیا ہے۔ ہم گوگل سے ہر چیز کا جواب سیکنڈوں میں پوچھ سکتے ہیں۔ یوٹیوب پر ویڈیوز دیکھ کر چیزیں سیکھ سکتے ہیں، لیکن یاد رکھیں کہ انٹرنیٹ

معلومات کا سمندر ہونے کے باوجود یہ نہیں سکھا سکتا کہ ان معلومات کا صحیح استعمال کیسے کرنا ہے۔ انسانوں کو مشینوں سے بہتر صرف ایک استاد ہی بنا سکتا ہے۔ اسی لیے دنیا کتنی بھی ترقی کر لے استاد کی جگہ کوئی مشین، کوئی کمپیوٹر اور کوئی روبوٹ کبھی نہیں لے سکتا۔

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ایک ڈاکٹر جو اسپتال میں مریضوں کی جان بچاتا ہے، ایک انجینئر جو دریاؤں پر اونچے اور مضبوط پل بناتا ہے، ایک سائنسداں جو نئی دوائیں اور مشینیں ایجاد کرتا ہے، ایک جج جو عدالت میں بیٹھ کر انصاف کرتا ہے، ایک بہادر سپاہی جو سرحدوں پر اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے اور ایک پائلٹ جو جہاز اڑاتا ہے، ان کے پیچھے کون کھڑا ہوتا ہے؟ انھیں یہ سب کس نے سکھایا؟ ان لوگوں نے اپنے بچپن میں کسی کلاس روم میں بیٹھ کر استاد سے الف ب ت ج د ضرور سیکھا ہوگا۔ دنیا کی ہر کامیابی اور ہر ترقی کے پیچھے کسی نہ کسی استاد کی محنت اور دعائیں ضرور چھپی ہوتی ہیں۔

پیارے بچو! یومِ اساتذہ پر اسکولوں میں تقریبات ہوتی ہیں اور ہم اپنے اساتذہ کو خوبصورت کارڈز اور پھول دیتے ہیں۔ یہ سب ان کی خوشی کے لیے بہت ضروری ہے، لیکن ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ ان کا احترام صرف اس ایک دن کے لیے ہونا چاہیے؟ ہرگز نہیں۔ اساتذہ کی اصل خوشی اور انعام یہ ہے کہ ہم روزانہ ان کا احترام کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر روز کچھ ایسی عادتیں اپنائیں جن سے ہمارے اساتذہ ہم پر فخر کریں۔ اس کے لیے ہم درج ذیل نکتوں پر عمل کر سکتے ہیں:

1. جب وہ کلاس میں آئیں تو کھڑے ہو کر مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کریں۔
2. جب وہ پڑھا رہے ہوں تو پوری توجہ اور دھیان سے ان کی بات سنیں۔
3. اپنا ہوم ورک ایمانداری اور وقت پر مکمل کریں۔
4. اپنے ساتھی طلبہ کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔
5. اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو سچے دل سے معافی مانگنے کی ہمت پیدا کریں۔

یقین جانیں کہ جب کوئی طالب علم کامیاب ہوتا ہے، بڑا ہو کر کوئی اچھا کام کرتا ہے، بااخلاق اور ایماندار انسان بنتا ہے تو اس کے والدین کے بعد سب سے زیادہ خوش اساتذہ ہوتے ہیں۔ ایک کامیاب اور بااخلاق طالب علم استاد کی سب سے بڑی کمائی اور قیمتی انعام ہوتا ہے۔

آیئے، آج یومِ اساتذہ کے اس خوبصورت اور مبارک موقعے پر عہد کریں کہ ہم اپنے اساتذہ کی ہمیشہ عزت کریں گے۔ ہم اپنی محنت، لگن اور اچھے کردار سے اپنے والدین، اساتذہ اور اپنے پیارے ملک کا نام روشن کریں گے۔ کسی شاعر نے اساتذہ کی عظمت کو کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

رہبر بھی یہ، ہمدم بھی یہ، غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

■

Tabassum Hayat
S-11/11, 2nd Floor
Near - Riyan Public School
Jogabai Extention, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

فاطمہ الفہری: ایک مثالی خاتون

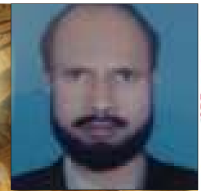

محمد توفیر عالم نظمی

دنیا میں ایسے بہت کم لوگ گزرے ہیں جن کے وژن اور قربانی نے آنے والی صدیوں کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ فاطمہ الفہری کا شمار ان کمیاب شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے پوری دنیا کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی سے منور کیا۔ وہ ایک ایسی عظیم خاتون تھیں جنھوں نے ایک تعلیمی ادارہ اور یونیورسٹی قائم کر کے اپنا نام سنہرے حرفوں میں درج کرا لیا۔ ایک ایسے دور میں جب یورپ تاریک دور (Dark Ages) سے گزر رہا تھا، فاطمہ الفہری نے مراکش کی سرزمین پر علم و حکمت کا وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی آج گیارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی مدھم نہیں ہوئی۔

فاطمہ الفہری نویں صدی عیسوی کے آغاز (تقریباً 800 عیسوی) میں تیونس کے تاریخی شہر قیروان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام محمد الفہری تھا، جو ایک نہایت شریف النفس، دین دار اور کامیاب تاجر تھے۔ فاطمہ الفہری کی ایک چھوٹی بہن بھی تھیں جن کا نام مریم الفہری تھا۔ قیروان اس دور میں علم و تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا، لیکن سیاسی حالات اور کاروباری وسعت کی خاطر محمد الفہری نے اپنے خاندان کے ساتھ تیونس سے مراکش (Morocco) کے شہر فاس کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔

فاس آ کر فاطمہ کے والد نے سخت محنت کی اور ان کا شمار شہر کے امیر ترین تاجروں میں ہونے لگا۔ محمد الفہری نے اپنی دونوں بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ انھوں نے فاطمہ اور مریم کو اس دور کے رواج کے مطابق بہترین دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا۔

زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی۔ فاطمہ الفہری کی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب وہ یکے بعد دیگرے گہرے صدمات سے دوچار ہوئیں۔ مختصر عرصے کے دوران ان کے والد، ان کے بھائی اور پھر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ ان حادثات نے فاطمہ اور ان کی بہن مریم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس کے باوجود وژن اور مشن پر قائم رہیں۔

دونوں بہنوں کو ورثے میں ایک کثیر دولت ملی۔ وہ چاہتیں تو آرام کی زندگی گزار سکتی تھیں۔ لیکن فاطمہ الفہری نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی دولت کو انسانیت کی بھلائی کے

لیے وقف کریں گی تاکہ یہ اور ان کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے۔

جامعۃ القرویین کی بنیاد

فاس شہر کی بڑھتی آبادی سے وہاں موجود مساجد اور تعلیمی مراکز چھوٹے پڑ رہے تھے۔ فاطمہ الفہری نے اس ضرورت کو بھانپ لیا۔ انھوں نے اپنے آبائی شہر قیروان کے تارکینِ وطن اور مقامی آبادی کی سہولت کے لیے ایک عظیم عبادت گاہ یعنی مسجد اور تعلیمی مرکز بنانے کا ارادہ کیا۔

رمضان المبارک 245ھ (بمطابق 859 عیسوی) میں فاطمہ الفہری نے 'جامعۃ القرویین' (University of Al-Qarawiyyin) کی بنیاد رکھی۔ اس کام میں ان کی بہن مریم نے بھی حصہ لیا۔

مسجد سے دنیا کی پہلی یونیورسٹی کا سفر

ابتدا میں القرویین ایک مسجد تھی جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن فاطمہ الفہری کا وژن اس سے کہیں بڑا تھا۔ وہ اسے ایک ایسا مرکز بنانا چاہتی تھیں جہاں دنیا بھر کا علم ایک جگہ اکٹھا ہو۔ رفتہ رفتہ اس مدرسے نے ایک جامعہ (University) کی شکل اختیار کر لی۔

یونیسکو اور گنیز بک کی تصدیق

آج دنیا مغربی یونیورسٹیوں جیسے آکسفورڈ، کیمبرج یا ہارورڈ کو اعلیٰ تعلیم کا مرکز مانتی ہے، لیکن سائنسی اور تاریخی حقائق کچھ اور کہتے ہیں۔ یونیسکو (UNESCO) اور گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز (Guinness World Records) نے باقاعدہ طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ مراکش کی 'جامعۃ القرویین' دنیا کی قدیم ترین اور مسلسل کام کرنے

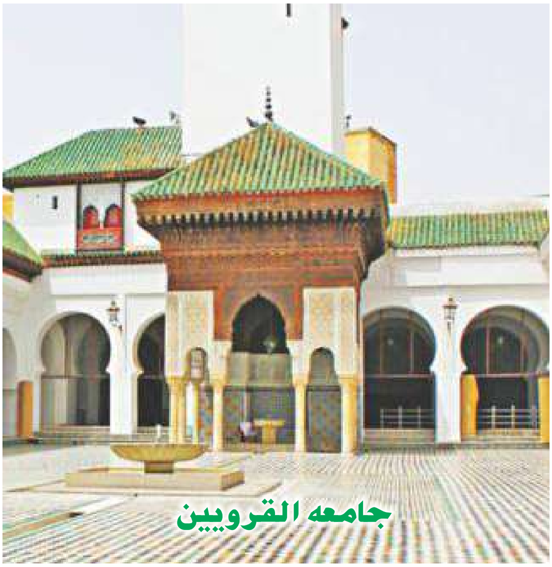

جامعہ القرویین

والی یونیورسٹی ہے جو ڈگری جاری کرتی تھی۔ یہ آکسفورڈ سے بھی تقریباً دو سو سال پرانی ہے۔

جامعۃ القرویین کا نظامِ تعلیم اور خصوصیات

جامعۃ القرویین اپنے دور کا جدید ترین تعلیمی ادارہ تھا، جس کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل تھیں:

1. ہمہ جہت نصاب (Interdisciplinary Curriculum)

القرویین میں اسلامی علوم کے ساتھ سائنس اور آرٹس کا ایک بہترین سنگم تھا۔ یہاں کے نصاب میں علوم اسلامیہ، ریاضی (Mathematics) اور الجبرا، فلکیات (Astronomy)، طب (Medicine) اور جراحی، کیمیا (Chemistry) اور طبیعیات، عربی گرامر، تاریخ، اور جغرافیہ جیسے علوم شامل تھے۔

2. مفت تعلیم اور وظائف

فاطمہ الفہری کی قائم کردہ یونیورسٹی میں آنے والے

تمام طلبہ کو بالکل مفت تعلیم دی جاتی یہاں تک کہ دور دراز سے آنے والے طلبہ کے لیے ہاسٹل (رہائش)، کھانا، کپڑے اور طبی سہولیات بھی مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ غریب اور لائق طلبہ کو ماہانہ وظائف بھی دیے جاتے تھے۔

3. قدیم ترین تاریخی لائبریری

جامعۃ القرویین کے اندر ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی گئی، اس کا شمار دنیا کی قدیم ترین لائبریریوں میں ہوتا ہے۔ اس لائبریری میں ہزاروں نایاب قلمی نسخے (Manuscripts) موجود ہیں۔

رواداری اور عالمی اثرات

جامعۃ القرویین کے دروازے ہر طبقے اور ہر مذہب کے لیے کھلے تھے۔ اندلس (اسپین) اور یورپ کے دیگر حصوں سے عیسائی اور یہودی اسکالرز یہاں علم حاصل کرنے آتے تھے۔

پوپ سلویسٹر دوم کا سفر

اس یونیورسٹی کے مشہور ترین غیر مسلم طلبہ میں پوپ سلویسٹر دوم (Pope Sylvester II) شامل ہیں۔ انھوں نے القرویین میں رہ کر ریاضی اور فلکیات کی تعلیم حاصل کی۔ یہ وہی پوپ ہیں جنھوں نے یورپ واپس جا کر عربی ہندسوں (0,1,2,3...) اور 'صفر' (Zero) کے تصور کو متعارف کروایا، کیونکہ اس سے پہلے یورپ رومن ہندسوں (I,II,III...) کا استعمال کرتا تھا جس میں ریاضی کے پیچیدہ سوالات حل کرنا ناممکن تھا۔ یورپ کی سائنسی ترقی میں القرویین کا یہ ایک بہت بڑا احسان ہے۔

جامعۃ القرویین سے فارغ التحصیل چند عظیم ناموں میں یہ نام شامل ہیں:

- ابن خلدون: دنیا کے پہلے ماہرِ عمرانیات (Sociologist) اور عظیم مورخ۔
- ابن رشد (Averroes): مشہور مسلم فلسفی اور طبیب۔
- ابن باجہ: نامور ماہرِ فلکیات اور فلسفی۔
- موسیٰ بن میمون (Maimonides) مشہور یہودی حکیم اور فلسفی۔
- الشریف الادریسی: دنیا کا پہلا تفصیلی عالمی نقشہ بنانے والے جغرافیہ دان۔

وفات اور لازوال وراثت

فاطمہ الفہری نے پوری زندگی علم کے فروغ اور القرویین کی دیکھ بھال میں گزار دی۔ تقریباً 880 عیسوی میں یہ عظیم خاتون اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں، لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسا ادارہ چھوڑ گئیں جو آج 1160 سے زائد سال گزرنے کے بعد بھی مراکش کے شہر فاس میں موجود ہے اور آج بھی وہاں با قاعدہ کلاسز ہوتی ہیں۔

آج ضرورت ہے کہ ہم فاطمہ الفہری کے وژن کو دوبارہ زندہ کریں۔ سچی ترقی برانڈز یا عمارتوں سے نہیں بلکہ علم، تحقیق اور تعلیم پر سرمایہ کاری کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ فاطمہ الفہری تاریخ کے افق پر ایک ایسا ستارہ ہے جو ہمیشہ چمکتا رہے گا اور دنیا کو یاد دلاتا رہے گا کہ علم کی طاقت سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں ہے۔

■

Md. Tauqeer Alam 'Nazmi'
At & Po: Belad-e-Aadam
Distt.: Vaishali- 843114 (Bihar)
Mob.: 9771759436
tauqeeralam846105@gmail.com

ارشاد احمد عبدالقیوم

ملک وقوم کے معمار: اساتذہ

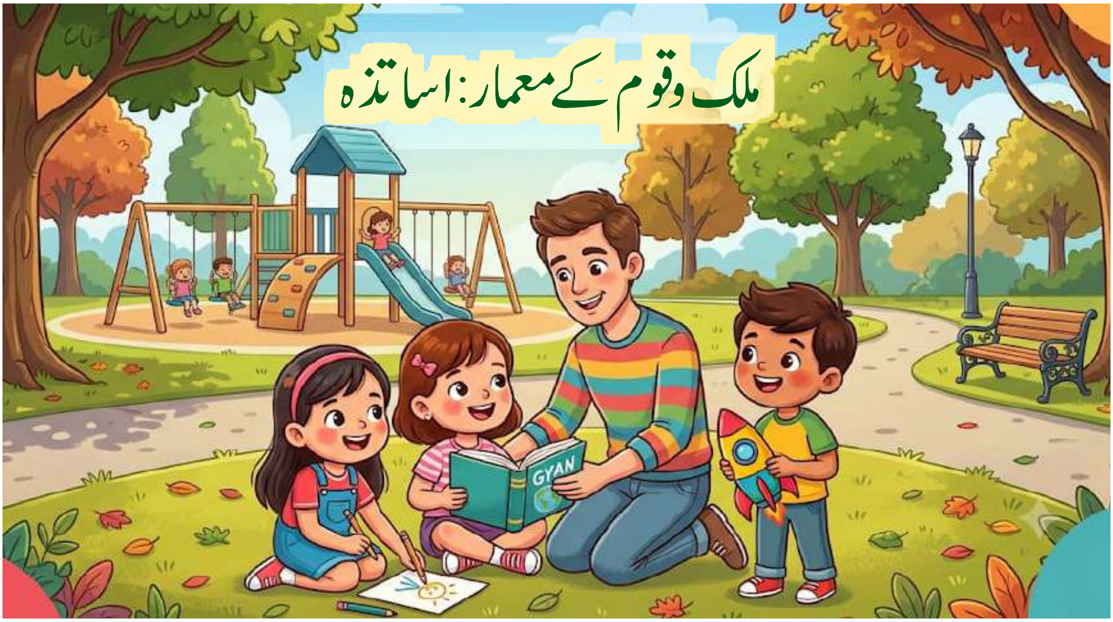

دنیا میں بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کی عظمت الفاظ میں مکمل طور پر بیان نہیں کی جاسکتی۔ ماں باپ کے بعد اگر کسی شخصیت کا سب سے زیادہ احسان انسان پر ہوتا ہے تو وہ استاد ہے۔ استاد کسی بھی سماج میں رہبر حیات اور مشعل راہ کے مانند ہوتا ہے۔ وہ جہالت کے اندھیروں میں علم کی شمع روشن کرتا ہے، کردار کی تعمیر کرتا ہے اور شاگردوں کو زندگی کے اتار چڑھاؤ سے مقابلہ کرنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

یوم اساتذہ در اصل ان محسنوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کا دن ہے جن کی محنت کے باعث قوموں کے مستقبل سنورتے ہیں۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ استاد صرف کتابی علم نہیں دیتا بلکہ انسان کو انسان بناتا ہے، اس کے باطن کو روشن اور اس کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی ہر عظیم شخصیت کے پیچھے کسی نہ کسی استاد کی تربیت اور رہنمائی شامل رہی ہے۔ سائنس دانوں کی ایجادات، مفکرین کے افکار، شاعروں کے تخیلات اور رہنماؤں کی کامیابیاں سب کسی نہ کسی معلم کی محنت کا پھل ہیں۔ استاد ایک باغبان کی مانند ہوتا ہے جو ننھے پودوں کو پانی دیتا ہے۔ اسی طرح استاد بھی ہر طالب علم کی صلاحیت کو پہچان کر اسے ترقی کی راہ دکھاتا ہے۔ وہ شاگرد کے دل میں خود اعتمادی، امید اور محنت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

آج ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مصنوعی ذہانت، روبوٹکس، ڈیجیٹل تعلیم اور انٹرنیٹ نے علم کے حصول کے طریقوں کو بدل دیا ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معلومات ہر جگہ دستیاب ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ معلومات اور علم میں فرق ہوتا ہے۔ معلومات کا انبار انسان کو دانش مند نہیں بناتا، بلکہ ان معلومات کو صحیح انداز میں سمجھنے اور استعمال کرنے کی صلاحیت علم کہلاتی ہے، اور یہ صلاحیت استاد ہی پیدا کرتا ہے۔ جدید دور کا استاد صرف کتاب پڑھانے والا فرد نہیں بلکہ ایک رہنما اور تربیت کار ہے۔ وہ طلبہ کو تنقیدی سوچ، تخلیقی

صلاحیت اور مثبت طرز فکر سے آراستہ کرتا ہے تاکہ وہ مستقبل کے چیلنجز کا سامنا کر سکیں۔

تعلیم کا مقصد صرف روزگار حاصل کرنا نہیں بلکہ ایک بہتر انسان بننا بھی ہے۔ اگر علم کے ساتھ اخلاق نہ ہوں تو ترقی بے معنی ہو جاتی ہے۔ استاد طلبہ کو سچائی، دیانت داری، احترام انسانیت، نظم وضبط اور ذمہ داری کا درس دیتا ہے۔ وہ اپنے کردار کے ذریعے طلبہ کے لیے نمونہ عمل بنتا ہے۔ اکثر شاگرد اپنے استاد کے انداز گفتگو، عادات اور اخلاق سے متاثر ہو کر زندگی بھر ان کی تقلید کرتے ہیں۔

اس لیے کہا جاتا ہے کہ:

”اچھا استاد صرف سبق نہیں پڑھاتا بلکہ زندگی جینا سکھاتا ہے۔“

موجودہ دور میں ماحولیاتی آلودگی اور موسمیاتی تبدیلی پوری دنیا کے لیے ایک بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ ایسے حالات میں اساتذہ کا کردار مزید اہم ہو جاتا ہے۔ اساتذہ طلبہ میں ماحول دوست سوچ پیدا کرتے ہیں۔ وہ انھیں درختوں کی اہمیت، پانی کی حفاظت، صفائی کی ضرورت اور قدرتی وسائل کے درست استعمال کا شعور دیتے ہیں۔ اسکول میں لگایا گیا ایک پودا، صاف ستھرے ماحول کی ایک مہم اور توانائی کی بچت کا ایک سبق طلبہ کے ذہنوں میں عمر بھر کے لیے نقش ہو سکتا ہے۔ یہی طلبہ آگے چل کر ایسے شہری بنتے ہیں جو اپنے ملک اور زمین کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

زندگی میں بعض اوقات طالب علم ناکامیوں، مشکلات اور مایوسیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں استاد امید کا چراغ بن کر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ بہت سے طلبہ اپنی کامیابی کا سہرا اپنے اساتذہ کے سر باندھتے ہیں کیونکہ انھوں نے مشکل وقت میں ان کا ہاتھ تھاما اور انھیں ہمت دی۔

یوم اساتذہ کا پیغام

یوم اساتذہ صرف ایک تقریب یا رسم کا نام نہیں بلکہ یہ شکر گزاری، احترام اور ان کی خدمات کے اعتراف کا دن ہے۔ یہ دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ استاد کی عزت دراصل علم کی عزت ہے اور علم ہی ترقی کی بنیاد ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اساتذہ کا احترام کریں، ان کی نصیحتوں پر عمل کریں اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر معاشرے کے مفید شہری بنیں۔ یہی ان کی محنت کا بہترین صلہ ہے۔

استاد ایک ایسا چراغ ہے جو خود جل کر دوسروں کی زندگیاں روشن کرتا ہے۔ اس کی خدمات کا اعتراف صرف ایک دن میں ممکن نہیں لیکن یوم اساتذہ ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم اپنے اساتذہ کے سامنے عقیدت کے پھول نچھاور کریں اور ان کے احسانات کو یاد کریں۔

آیئے عہد کریں کہ ہم علم حاصل کریں گے، اچھے اخلاق اپنائیں گے، اپنے اساتذہ کا احترام کریں گے اور ایک روشن، ترقی یافتہ اور باکردار معاشرے کی تعمیر میں مثبت کردار ادا کریں گے۔

■

Irshad Ahmad Abdul Qayyum
Infront of Faizan-e-Madina Masjid
Madina Colony (Shree Nath Layout)
Darwah Road, Karanja
Distt.: Washim - 444105 (Maharashtra)
Mob.: 9021171900
irshadiqra@gmail.com

یوم اساتذہ

ٹیچرس ڈے

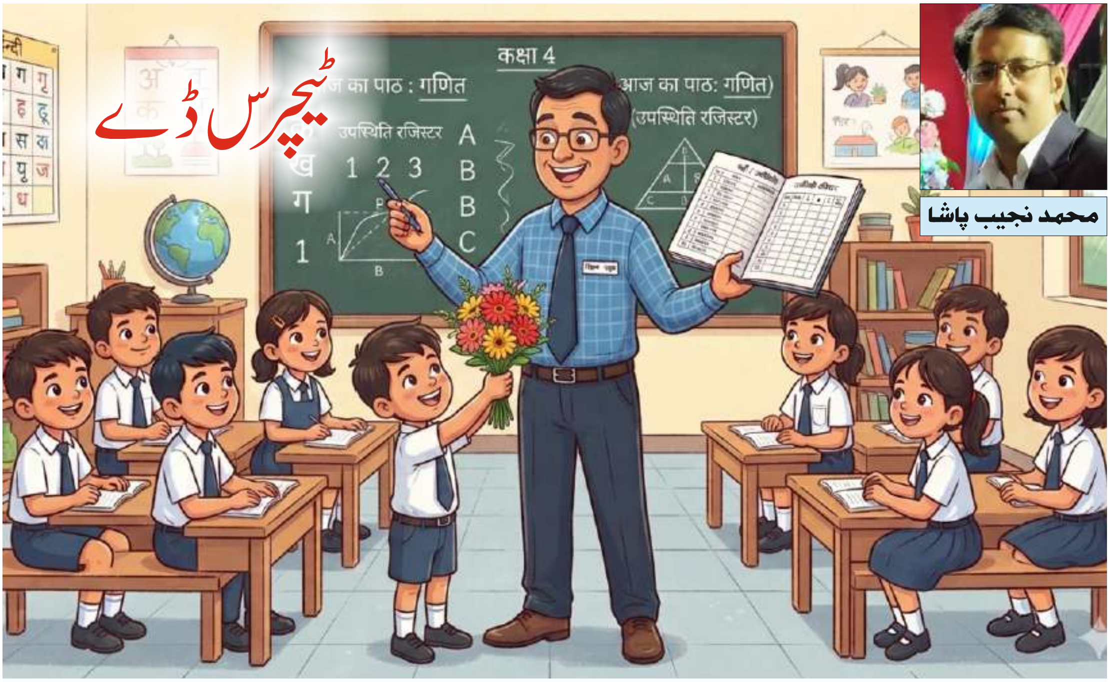

محمد نجیب پاشا

حاضری کے بعد رجسٹر کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے کہا! ہاں تو آج میں کیا پڑھانے والا تھا۔ میرے اس سوال پر پوری کلاس میں سناٹا چھایا رہا اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے پھر سوال کیا کیوں بھئی تم سب چپ کیوں ہو؟

سر آج ہم لوگ نہیں پڑھیں گے۔ اقبال بول پڑا۔

کیوں؟

سر آج ٹیچرس ڈے ہے۔ ہم سبھوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

ارے ہاں! آج تو 5 ستمبر ہے۔ میں ہی بھول گیا تھا مگر تم سب پڑھو گے نہیں تو کیا کرو گے؟

سر پہلے آپ یہ چھوٹا سا پھولوں کا تحفہ قبول کریں۔ اقبال نے کہا اور سارے لڑکے خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ ٹیچرس ڈے کے موقعے پر آپ سبھوں نے پھولوں کا خوبصورت تحفہ پیش کیا اس کے لیے میں شکر گزار ہوں لیکن ابھی تک کسی نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کہ اگر تم سب پڑھنا نہیں چاہتے ہو تو پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ میں نے مسکراتے ہوئے بچوں سے پوچھا۔

سر، آج ہم سب بیت بازی کا مقابلہ کریں گے، جمال نے کہا۔

نہیں سر! آپ ہم سبھوں کو ٹیچرس ڈے کے بارے میں بتائیں۔ زبیر بولا۔

نہیں نہیں سر! کوئی مزے دار کہانی سنائیے۔

غرض جتنے منھ تھے اتنی باتیں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا تم سب اپنی پنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ میں ایک مزے دار کہانی سناتا ہوں اور ٹیچرس ڈے کے بارے میں بھی بتاتا ہوں۔ پھر یوں گویا ہوا۔

کسی گاؤں میں ایک چھوٹا سا اسکول تھا۔ اس کے

ٹیچر رحمٰن صاحب تھے۔ اسی اسکول میں ایک لڑکا پڑھتا تھا جو اکثر رحمٰن صاحب سے مار کھاتا، کیونکہ وہ اپنا ہوم ورک پورا کر کے نہیں لاتا تھا۔ اس لیے رحمٰن صاحب اس پر خفا ہوتے تھے۔ ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے وہ اور بھی ضدی ہوگیا۔ ایک دن اس نے ٹھان لیا کہ وہ ماسٹر صاحب کی سائیکل پنکچر کر دے گا پھر وہ اپنے گھر پیدل جائیں گے تب کہیں جا کر دل کو سکون ملے گا۔ اتنا کہہ کر میں چپ ہوگیا پھر ایک لمحے کے بعد میں نے کہا دیکھو! میری سائیکل کو تم لوگ پنکچر مت کر دینا۔ میرے بولنے پر سارے لڑکے قہقہے لگانے لگے۔

اس لڑکے نے ایک دن موقع پا کر ماسٹر صاحب کی سائیکل کی ہوا نکال دی اور انھیں مجبوراً پیدل گھر جانا پڑا، وہ لڑکا ماسٹر رحمٰن صاحب کی پریشانیوں کو درخت کی آڑ سے چھپ کر دیکھ اور اپنے کارنامے پر خوش ہو رہا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب 5 ستمبر کا دن آیا تو رحمٰن صاحب نے کلاس میں ٹیچرس ڈے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ 5 ستمبر کو ٹیچرس ڈے اس لیے منایا جاتا ہے کہ اس دن سروپلی رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے، یہ ایک استاد تھے اور بعد میں وہ صدر جمہوریہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس لیے حکومت ہند نے سروپلی رادھا کرشنن کی پیدائش کے دن کو یوم اساتذہ کے طور پر منانے کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ خود بھی اپنے اساتذہ کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو طالب علم اپنے استاذ کی جتنی زیادہ عزت کرتا ہے سماج میں اتنی ہی زیادہ عزت پاتا ہے اس لیے تم سبھوں کو بھی چاہیے کہ اپنے استاذ کی عزت کرو، ان کی قدر کرو اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ یہی تم سب طالب علموں کا فرض ہے۔

اتنا کہہ کر رحمٰن صاحب خاموش ہوگئے۔ ان کی باتوں کا اس لڑکے پر اتنا اثر پڑا کہ وہ بے اختیار رو پڑا اور ماسٹر رحمٰن صاحب کو ساری باتیں بتا دیں کہ اس نے ہی ان کی سائیکل کی ہوا نکال کر انھیں پریشان کیا تھا، لہٰذا آپ میری اس غلطی کو معاف کر دیں۔ رحمٰن صاحب نے اس لڑکے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ مجھے سن کر بہت خوشی ہوئی اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے جس سے دوسرے لوگ کسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اس لڑکے نے سر جھکا کر گردن ہلا دی۔ اتنا کہہ کر میں خاموش ہوگیا۔

واہ سر! آپ نے تو کہانی بھی سنا دی اور ٹیچرس ڈے کے بارے میں بھی بتا دیا۔ اقبال فوراً بول پڑا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا چھٹی کی گھنٹی بج گئی۔ میں رجسٹر اور گلدستہ سنبھالتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ سارے لڑکے ادب سے کھڑے ہوگئے اور میں نے جاتے جاتے کہا جانتے ہو وہ لڑکا کون تھا؟

کون تھا سر؟ تمام بچوں نے ایک زبان ہو کر پوچھا۔

''وہ لڑکا میں تھا'' اتنا کہہ کر میں کلاس سے نکل گیا۔

سارے لڑکے حیرت سے ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔

■

Md. Najeeb Pasha
B-119, Nawab Wajid Ali Shah Road
Post: Garden Reach
Kolkata- 700024 (West Bengal)
Mob.: 6290479899
mdnajeebp@gmail.com

استاد کی عظمت

جاوید رانا

تپتے صحراؤں میں گھنگھور گھٹاؤں جیسے
میرے استاد ہیں پھولوں کی دعاؤں جیسے

ڈانٹنا ان کا برستے ہوئے پانی کی طرح
ان کی چاہت ہے کڑی دھوپ میں چھاؤں جیسے

راستہ جب سے صداقت کا بتایا ہے مجھے
خود بخود اٹھتے چلے جاتے ہیں پاؤں جیسے

آپ کے سایۂ شفقت پہ گماں ہوتا ہے
سبز پیڑوں سے مہکتا ہوا گاؤں جیسے

آپ کی پیاری نصیحت کے وہ پیارے انداز
بادِ گلشن کی طرح تازہ ہواؤں جیسے

ظلمتِ غم میں، مصیبت میں، پریشانی میں
مشورے آپ کے ہوتے ہیں دواؤں جیسے

گونجتے رہتے ہیں تلقین کے سارے الفاظ
میرے کانوں میں اذانوں کی صداؤں جیسے

علم کے چاند سے روشن کیا تم نے ورنہ
ذہن و دل تھے میرے تاریک گپھاؤں جیسے

سارے استاد ہیں شاہوں سے بھی افضل رانا
جتنے شاگرد ہیں وہ سب ہیں گداؤں جیسے

■

Javed Rana
29/ 143 Near Chaar Mazaar
Dr. Zakir Husain Ward ,Mominpura
Burhanpur-450331 (MP)
Mob.: 9009234875
javedrana184@gmail.com

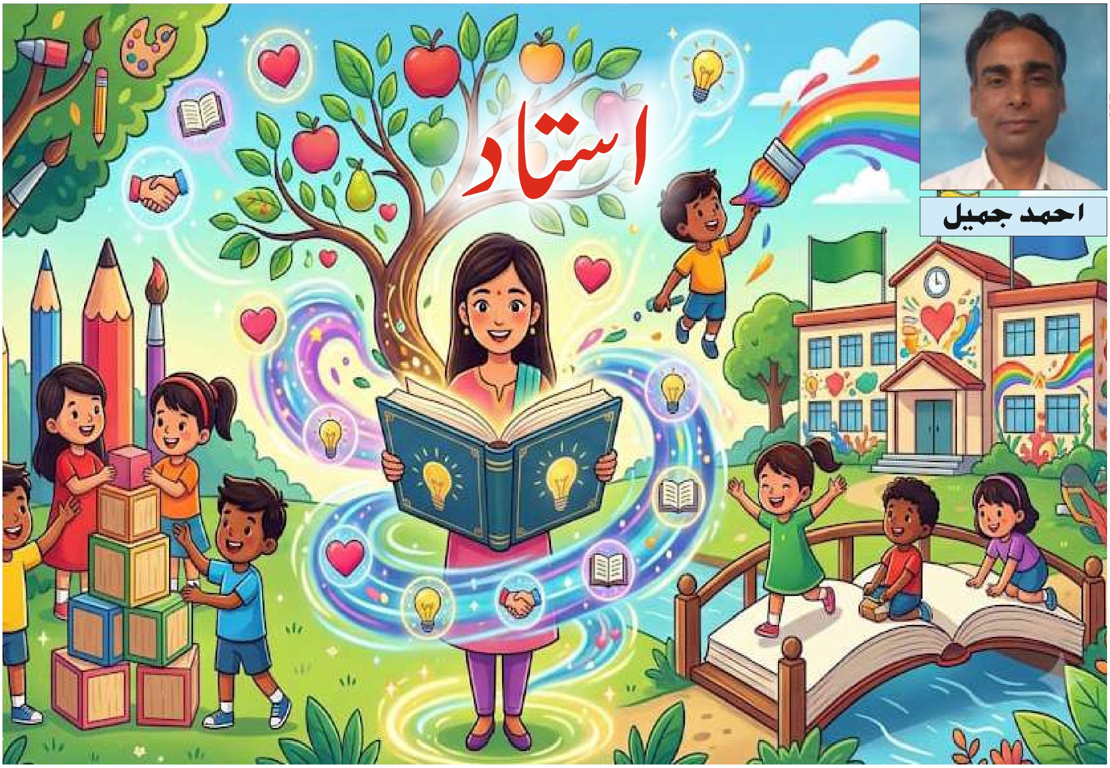

استاد

احمد جمیل

علم وعمل کی راہ دکھاتے ہیں استاد
شمع محبت دل میں جلاتے ہیں استاد

سچی راہیں ان کا مقدر ہوتی ہیں
جن لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں استاد

ماں کی پیاری گود سے سونی قبر تلک
جیون کی ہر بات سکھاتے ہیں استاد

ہم ہوتے ہیں گیلی مٹی کی مانند
چاک پہ رکھ کر شکل بناتے ہیں استاد

دنیا میں جتنے بھی اونچے عہدے ہیں
سب عزت توقیر دلاتے ہیں استاد

دنیا کے آلام و مصائب سہہ کر بھی
مہر و محبت ہم پہ لٹاتے ہیں استاد

وقت مصیبت حوصلہ دیتے ہیں ہم کو
ہر مشکل آسان بناتے ہیں استاد

■

Ahmad Jamil Shah Mohammad
302 /37 Moulana Salim's Gali
Dr. Taras ke Peechhe, Niyamatpura
Burhanpur- 450331 (MP)
Mob.: 9977052564
Email:jameelqasmi25@gmail.com

اسید اشہر

15 منٹ کا شہر

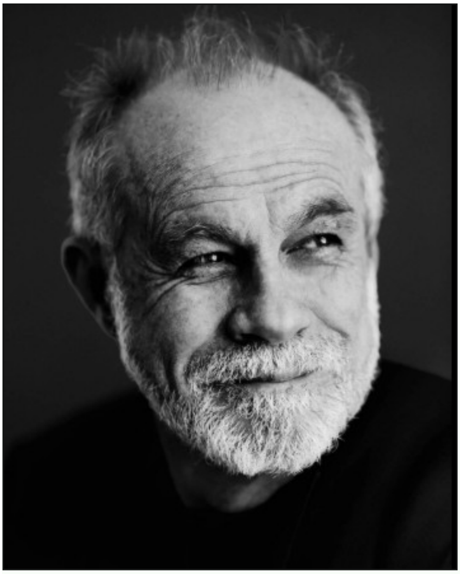

بچو! ذرا غور کریں کہ آپ صبح بیدار ہوں، گھر سے باہر جائیں اور اپنی ضرورت کی ہر چیز چند منٹ پیدل چل کر یا سائیکل کی سواری سے محض تھوڑے سے فاصلے پر پا لیں۔ آپ کا اسکول دس منٹ کی دوری پر ہے۔ کرانہ کی دکان اگلی سڑک پر پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ وہ میدان بھی جہاں آپ کرکٹ کھیلتے ہیں، قریب ہی ہے۔ یہ کوئی خواب نہیں ہے، بلکہ یہ '15 منٹ کے شہر' کا تصور ہے۔

'15 منٹ کے شہر' میں ہر شخص اپنی روزمرہ کی زندگی کی تمام ضروریات تک 15 منٹ کے اندر پیدل یا سائیکل کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں اسکول، اسپتال، بازار، دفتر اور ریستوران سب کچھ لوگوں کی رہائش گاہوں کے قرب و جوار میں ہوتے ہیں۔ اس تصور کو فرانسیسی -کولمبیائی سائنسدان کارلوس مورینو (Carlos Moreno) نے مقبول بنایا۔ انھوں نے 2016 میں یہ نظریہ پیش کیا اور اسے 'ville du quart d'heure' کا نام دیا، جس کا فرانسیسی میں مطلب 'پندرہ منٹ کا شہر' ہے۔

'15 منٹ کا شہر' کے لیے 6 سہولیات ضروری ہیں

کارلوس مورینو کے مطابق، ہر انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں 6 بنیادی سہولیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں (1) رہائش، (2) کام یا ملازمت، (3) ضروریات زندگی (کرانہ دکان، سپر مارکیٹ اور دیگر ضروری خدمات)، (4) طبی خدمات فراہم کرنے کے لیے کلینک، اسپتال اور فارمیسی، (5) تعلیم کے لیے اسکول، کتب خانہ اور دیگر تعلیمی مراکز اور (6) تفریح کے لیے کھیلوں کے میدان اور تفریحی مقامات شامل ہیں۔

'15 منٹ کا شہر' کی اہمیت

ذرا سوچیں کہ آج کل زیادہ تر شہر کس طرح تعمیر کیے گئے ہیں۔ گھر دفاتر سے کئی کلومیٹر دور ہوتے ہیں۔ بچوں کے اسکول اور پارکس دور دراز واقع ہیں۔ اسپتال شہر کے دوسرے کونے پر ہیں۔ لوگ روزانہ گھنٹوں صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ مثال

کے طور پر، ممبئی میں کچھ لوگ اپنے دفتر پہنچنے کے لیے یکطرفہ 2 گھنٹے سے زیادہ سفر کرتے ہیں۔

’15 منٹ کا شہر‘ کے فوائد

’15 منٹ کا شہر‘ کے کئی فائدے ہیں۔ اس شہر میں سڑکیں تیز رفتار کاروں کی بجائے پیدل چلنے اور سائیکلنگ کے لیے بنائی جاتی ہیں، اس لیے وہ زیادہ محفوظ ہوتی ہیں۔ پیدل چلنے کے لیے ڈیزائن کیے گئے شہر لوگوں کو زیادہ متحرک رہنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ پیدل چلنے کے قابل شہروں میں رہنے والے لوگوں میں وزن کی زیادتی اور دل کے مسائل کا امکان کم ہوتا ہے۔ طلبہ کے لیے روزانہ 10 سے 15 منٹ پیدل چل کر اسکول جانا ایک بہترین ورزش ہے۔ ’15 منٹ کا شہر‘ تعلیمی زندگی کو بھی بہتر بنا سکتا ہے۔ جب اسکول، لائبریری، کھیلوں کا میدان، پارک، گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہوں گے تو وقت بھی بچے گا اور بچے پڑھائی اور اپنی پسند کے مشغلوں کو زیادہ وقت دے پائیں گے۔

موسمیاتی تبدیلی (Climate Change) موجودہ دور کے بڑے چیلنجوں میں سے ایک ہے جس کے مستقبل میں مزید سنگین ہونے کا امکان ہے۔ ذاتی گاڑیوں کے بے تحاشا استعمال کی وجہ سے کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) کے اخراج میں اضافہ ہو رہا ہے جس کے باعث کرہ ارض کا درجہ حرارت بڑھتا جا رہا ہے۔ اقوامِ متحدہ کا کہنا ہے کہ 2030 تک عالمی کاربن اخراج میں بڑے شہروں کا حصہ 70 فیصد سے تجاوز کر سکتا ہے۔ ’15 منٹ کا شہر‘ اس مسئلے کا موثر حل پیش کرتا ہے کیونکہ اس تصور میں ماحول دوست اقدامات پر زور دیا جاتا ہے۔

’15 منٹ کا شہر‘ کو درپیش چیلنجز

اس تصور کو حقیقت میں بدلنا آسان نہیں ہے۔ اس کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ موجودہ شہروں کو بدلنا مشکل اور وقت طلب عمل ہے۔ ممبئی، دہلی، چنئی جیسے شہر سیکڑوں برسوں میں تعمیر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ، اسپتالوں، اسکولوں اور دفاتر کو منتقل کرنا بہت مہنگا عمل ہے۔ اس تبدیلی کے سماجی اور معاشی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے شہروں میں دفاتر، پارکس اور اچھے اسکولوں کے قریب رہائشی سہولیات زیادہ مہنگی ہوتی ہیں، جسے سبھی طبقات کے لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ ’15 منٹ کا شہر‘ سب کے لیے ہونا چاہیے، صرف امیروں کے لیے نہیں۔

بھارت میں ’15 منٹ کا شہر‘ کیسا ہوگا؟

بھارت میں دنیا کے چند گنجان آباد اور تیزی سے بڑھتے ہوئے شہر ممبئی، پونے، بنگلورو اور حیدرآباد کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان شہروں میں رہنے والے افراد کے لیے ٹریفک ایک ڈراؤنا خواب ہے اور یہاں آلودگی کا مسئلہ بھی سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ ان مسائل سے نمٹنے کے لیے کئی شہروں میں پہلے ہی ’15 منٹ کا شہر‘ کی ترکیب آزمائی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر، پونے میں سائیکلنگ لین کا جال بچھانے پر توجہ مرکوز کی جا رہی ہے۔ بنگلورو نے سڑکوں پر ٹریفک کم کرنے کے لیے میٹرو ریل جیسے پبلک ٹرانسپورٹ میں سرمایہ کاری کی ہے۔ چنڈی گڑھ، جو بھارت کے منصوبہ بند شہروں میں سے ایک ہے، پہلے ہی ایک گرِڈ لے آؤٹ رکھتا ہے۔ یہاں رہائش، خریداری اور دفاتر کے لیے مختلف زون پورے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بھارت میں '15 منٹ کا شہر' کے منصوبے کو موثر طریقے سے لاگو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رہائشی علاقوں کے قریب مقامی بازاروں اور کرانہ دکانوں کو فروغ دیا جائے، سڑکوں کے کنارے فٹ پاتھ اور سائیکلنگ لین بنائی جائیں، شہروں کو مختلف زون میں بانٹ کر ہر زون میں اسکول اور کلینکس قائم کی جائیں، سڑکوں کے کنارے زیادہ درخت لگائے جائیں، خالی میدانوں کو سبزہ زار اور باغات میں تبدیل کیا جائے اور دور دراز علاقوں تک رسائی کے لیے عوامی نقل وحمل کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ یہ اہداف، مناسب منصوبہ بندی اور حکومتی اقدامات کے ساتھ شہریوں کے تعاون کے ذریعے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

'15 منٹ کا شہر' کے لیے آپ کیا کرسکتے ہیں؟

بچو! اپنے محلے یا شہر کو '15 منٹ کا شہر' جیسے ایک ماحول دوست علاقے میں تبدیل کرنے کے لیے آپ کئی چھوٹے چھوٹے اقدامات کرسکتے ہیں۔ اگلی بار جب آپ کسی قریبی جگہ جانے کا ارادہ کریں تو بائیک یا کار کے بجائے پیدل چلنے یا سائیکل کی سواری کو ترجیح دیں۔ اپنے دوستوں اور خاندان کے افراد کو محلے میں ہرے بھرے مقامات اور مقامی دکانوں کی اہمیت کے بارے میں بتائیں۔ اپنے بڑوں کے سامنے محلے کی صفائی، فٹ پاتھ اور نئے پارک کی تجویز پیش کریں۔ اگر ہم ان مقاصد میں کامیاب ہوگئے ، تو یقین جانیے کہ ہماری زندگی مزید آسان ہوجائے گی۔

■

Usaid Ashhar
109, Aqsa Nagar, Mehrun
Jalgaon - 425001 (Maharashtra)
Mob. 9766222406
Email: usaidashhar@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے 90092010045326 :A/C، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

مسکراہٹ

محمد قاسم کتور

پیارے بچو! کیا آپ نے کبھی دل کھول کر، مسکرانے کا تجربہ کیا ہے؟ ایک ایسی مسکراہٹ جس میں کوئی بناوٹ نہ ہو اور جو سیدھی دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہو۔ کیا آپ نے کبھی اس خوبصورت فن کے بارے میں سنا ہے جو بغیر کسی خاص کوشش اور مضر اثرات (Side effects) کے انسانوں میں محبت بانٹتا ہے، ساتھ ہی یہ ایک بہترین جسمانی ورزش کا روپ دھار لیتا ہے؟

دیکھو، مسکراہٹ کی صلاحیت انسانی زندگی کا ایک انمول تحفہ ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس کے لیے ہمیں کسی مادی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب ایک انسان دل سے مسکراتا ہے، تو نہ صرف اس کا اپنا وجود مثبت توانائی سے بھر جاتا ہے، بلکہ اس کے آس پاس کا ماحول بھی خوشگوار ہو جاتا ہے۔

انسانی معاشرے میں مسکراہٹ کو ایک بہترین اخلاقی اور سماجی عمل مانا گیا ہے۔ اس کے اثرات کسی جادو سے کم نہیں ہوتے۔ بظاہر یہ ہونٹوں کی ایک ہلکی سی حرکت نظر آتی ہے، لیکن اس کے پیچھے ایک گہرا نظام چھپا ہوا ہے جو ہماری جسمانی، ذہنی اور سماجی زندگی کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بچے ہوں یا بڑے، ایک چھوٹی سی مسکراہٹ مرجھائے ہوئے چہروں کو کھلتے ہوئے پھولوں میں تبدیل کر سکتی ہے۔

اسی اہمیت کے پیشِ نظر دنیا بھر کے مختلف مذاہب اور مقدس کتابوں میں مسکراہٹ کو بہت اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو، تو آپ کا کسی کے سامنے مسکرا دینا بھی ایک نیکی بن جاتا ہے۔ جب ہم کسی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں، تو ہم دراصل اسے یہ پیغام دے رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس کا احترام کرتے ہیں اور اس کی موجودگی ہمارے لیے خوشی کا

باعث ہے۔ یہ سادہ سا عمل معاشرے میں محبت، امن اور بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے اور لوگوں کے درمیان برسوں پرانی دوریوں اور نفرتوں کو مٹا کر سماجی رشتوں کو مضبوط اور پائیدار بناتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جب آپ کسی اداس یا گمبھیر انسان کے سامنے جاتے ہیں اور محبت سے مسکراتے ہیں، تو اس کے چہرے پر بھی غیر ارادی طور پر ایک پیاری سی مسکراہٹ ابھر آتی ہے۔یعنی، مسکراہٹ ایک ایسی کشش ہے جو ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچتی ہے۔ جیسے جب ہم کسی کو جمائی لیتے دیکھتے ہیں تو ہمیں بھی جمائی آ جاتی ہے، بالکل اسی طرح جب ہم کسی کو مسکراتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو ہمارے مرر نیورونز (Mirror Neurons) فوراً جاگ اٹھتے ہیں اور ہمارے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیلا دیتے ہیں۔

سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات صرف ایک جذباتی اظہار نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارے جسم کے لیے ایک بہترین اور ہلکی پھلکی ورزش بھی ہے۔ ماہرینِ صحت کے مطابق، جب ہم ایک بار مسکراتے ہیں، تو ہمارے چہرے کے تقریباً 26 پٹھے ایک ساتھ متحرک ہو کر کام کرتے ہیں۔ گویا مسکراہٹ چہرے کے پٹھوں کی ایک ایسی خوبصورت ورزش ہے جو چہرے کی جلد کو تر و تازہ اور جوان رکھتی ہے۔اس کے علاوہ، مسکراہٹ ہمارے دل کی دھڑکن کو متوازن کرتی ہے اور خون کے دباؤ کو نارمل رکھنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ جب انسان پرسکون ہو کر مسکراتا ہے، تو خون کی شریانیں پھیلتی ہیں جس سے پورے جسم میں آکسیجن کی دستیابی بہتر ہوتی ہے اور دل پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، طبی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو لوگ خوش مزاج ہوتے ہیں، ان کا Immune Sytstem بہت مضبوط ہوتا ہے۔ جب ہم کھل کر ہنستے ہیں، تو ہمارے جسم میں ذہنی تناؤ پیدا کرنے والے ہارمونز جیسے کارٹیسول (Cortisol) کی مقدار نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ تناؤ کے ہارمونز کم ہونے کی وجہ سے جسم میں بیماریوں کے خلاف لڑنے والی اینٹی باڈیز کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ یہ اینٹی باڈیز ہمارے جسم کو مختلف قسم کے وائرسز اور جراثیموں کے حملوں سے بچاتی ہیں، جس کے نتیجے میں جسم کے اندر قدرتی طور پر بیماریوں کے خلاف ایک مضبوط حفاظتی ڈھال تیار ہو جاتی ہے۔

مسکراہٹ صرف بیماریوں سے ہی نہیں بچاتی، بلکہ یہ ایک بہترین اور قدرتی درد کش دوا بھی ہے۔ ہماری روزمرہ زندگی کے تجربات گواہ ہیں کہ جب ہمیں کوئی گہری چوٹ لگتی ہے یا کوئی جسمانی تکلیف ہوتی ہے، اس صورت میں اردگرد کے احباب کے ساتھ مسکرا کر بات کریں، تو درد کا احساس کافی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

انسانی ذہن و دل پر مسکراہٹ کے بے پناہ اور گہرے اثرات ہیں۔ آج کی تیز رفتار زندگی میں جہاں بچے اور بڑے سبھی کسی نہ کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہیں، وہاں مسکراہٹ ایک بہترین علاج بن کر سامنے آتی ہے۔ مسکرانے سے دماغ میں ایسے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں جو انسان کو فوری طور پر چست، تروتازہ اور پرامید بنا دیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جو بچے ہنستے مسکراتے ہوئے پڑھائی کرتے ہیں، ان کی یادداشت اور سیکھنے کی صلاحیت عام بچوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

یہ بہت راز کی بات ہے کہ ہمیں مسکرانے کے لیے ہمیشہ حقیقی خوشی کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی کبھی جب ہم اداس ہوں، کسی پریشانی میں ہوں یا ہمارا موڈ خراب ہو، اور ہم جان بوجھ کر اپنے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ سجا لیں، تو اس کا بھی ہمارے جسم پر مثبت اثر پڑتا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ جب ہم اپنے چہرے کے پٹھوں کو مسکراہٹ کی شکل میں لاتے ہیں، تو دماغ کو ایک سگنل جاتا ہے کہ ''سب کچھ ٹھیک ہے اور انسان خوش ہے۔'' دماغ اس بات میں فرق نہیں کر پاتا کہ یہ مسکراہٹ سچی ہے یا مصنوعی، وہ فوری طور پر چہرے کی اس حرکت کے جواب میں خوشی کے ہارمونز خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ ہی دیر میں ہماری اداسی سچی خوشی اور حقیقی اطمینان میں بدل جاتی ہے۔

مختصر بات یہ کہ مسکراہٹ بظاہر ایک معمولی اور چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے، لیکن یہ ایک ایسی انمول دولت ہے جس کے بے شمار جسمانی، ذہنی اور سماجی فوائد ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے پٹھوں کے لیے ایک بہترین ورزش ہے، دل اور بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے بھی مسکراہٹ ایک مفید عمل ہے۔ دراصل ایک مسکراتا ہوا چہرہ ہی ایک صحت مند، خوبصورت اور پرامن معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔

■

Muhammad Khasim Kuttor
Bukhari Dawa College
Po.: Kondotty-673638
Malapuram (Kerala)
Mob.: 7594897849
muhammedkhasim925@gmail.com

نظمیں

کوثر صدیقی

تمنا

روشنی کا منار بن جاؤں
سب جہازوں کو راہ دکھلاؤں

سب کو بخشوں میں دھوپ سے راحت
پیڑ بن کر جہاں میں چھا جاؤں

ختم کردوں اندھیرا دنیا سے
چاندنی بن کے جگ میں بچھ جاؤں

ساری دُنیا کو درسِ الفت دوں
پیار کی اک کتاب بن جاؤں

سب ضعیفوں کو میں سہارا دوں
بوڑھے لوگوں کی لاٹھی بن جاؤں

ختم کردوں جہان سے نفرت
پھول بن کر میں پیار مہکاؤں

میرے معبود مجھ کو دے توفیق
سب کے دکھ اور سکھ میں کام آؤں

■

Kausar Siddiqui
Former Editor, Karwan-e-Adab
Director, Dabistan-e-Bhopal
79, A, Ginnori, Main Road
Bhopal- 462001 (MP)
Mob.: 9926404171

نظمیں

چھی چھی چھی!

عطاء الرحمن طارق

چوری کرنا کام برا ہے، چھی چھی چھی
لالچ کا انجام برا ہے، چھی چھی چھی
محنت کی دو روٹی سکھ پہنچاتی ہے
دیوی کا انعام برا ہے، چھی چھی چھی
جھوٹ کا سودا اکثر مہنگا پڑتا ہے
سچ کہتا ہوں دام برا ہے، چھی چھی چھی
بیر نہ رکھو دل میں، اچھی بات نہیں
ایسا ہر الزام برا ہے، چھی چھی چھی
یارو، سستی، بے مایہ کردیتی ہے
آٹھ پہر آرام برا ہے چھی چھی چھی
بھولے سے بھی نام نہ لو، مایوسی کا
جگ میں اس کا نام برا ہے، چھی چھی چھی
طارق، تم بھی عادت ڈالو، ہنسنے کی
رونا صبح و شام برا ہے، چھی چھی چھی

■

Ataur Rahman Tariq
Vijaya Co-op. Hsg Society, Vaishali Nagar
K.K. Road, Mahalaxmi
Mumbai- 400011(Maharashtra)
Mob.: 9773238043
ataurrahmankamil@yahoo.com

خلیق الزماں نصرت

اترے میری چھت پر چاند

ایسی کوئی رات بھی آئے اترے میری چھت پر چاند
میں دیوانہ اس کا ہوں بن جائے میرا دلبر چاند
ایسا کب سوچا تھا میں نے ہوگا دل کا پتھر چاند
دیکھ رہا ہے میرے رونے پر مجھ کو ہنس ہنس کر چاند
اس کی عادت میں شامل یا مجبوری ہے کوئی جو
آوارہ گردی کرتا ہے کیوں راتوں کو اکثر چاند
اس بستی سے اس بستی تک اور پھر اس سے بھی آگے
یہ گھر وہ گھر جھانک کے آخر ڈھونڈتا ہے کس کا گھر چاند
رات آئے قندیل دکھائے، کیا تیری مزدوری ہے
کیا دنیا والوں کا تو بھی بن بیٹھا ہے نوکر چاند
ماما کہتا ہوں پھر بھی کیوں آتا نہیں تو میرے پاس
سنتا ہوں کچھ لوگ یہاں کے آبیٹھے ہیں تجھ پر چاند
رات کے اندھیارے میں تو بھی سب کچھ دیکھتا آیا ہے
کیسے کیسے راز جہاں کے تجھ میں ہوں گے مضمر چاند
اتنی دور سے تکتے تکتے آنکھیں بھی تھک جاتی ہیں
خواہش میری ہے نصرت ہاتھوں میں دیکھوں لے کر چاند

■

Khaliquz Zaman Nusrat
861, 203, Opp Salahuddin Ayyubi School
Zeenat Apartment, Kashanaenusrat
Bhiwandi - 421302 (Maharashtra)
Mob.: 9923257606
nusratkhalique@gmail.com

چلبلی غزل

مناظر حسن شاہین

سَر صفا چٹ ہے ماجرا کیا ہے
بول ہیرو! تجھے ہوا کیا ہے

بیس انڈوں کا آملیٹ بھی کھا
دس پراٹھوں کا ناشتا کیا ہے

کرکٹر بن کے تو کما اربوں
پڑھنے لکھنے سے فائدہ کیا ہے

شاید غصے میں ہیں چچا چھکن
ان کے گھر میں یہ زلزلہ کیا ہے

پِٹ چکا ہے تو مسکراتا جا
اب سوا اس کے راستہ کیا ہے

کھا بھی لے آج مفت کی مچھلی
سوچنا کیا کہ گلپھڑا کیا ہے

چٹ میں کرجاؤں روٹیاں باسی
شیرمال اور قورمہ کیا ہے

میں نے کھینچا تھا صرف کرسی کو
گر گیا تو، مری خطا کیا ہے

چور ہی تو کہا ہے میں نے تجھے
کیوں اچھلتا ہے، مسئلہ کیا ہے

شب میں کتوں نے راگنی چھیڑی
جا کے پوچھو مشاعرہ کیا ہے؟

ہے یہ استاد کا کرم ورنہ
شعر خود سے کبھی کہا کیا ہے

مولوی نے اُدھیڑ دی چمڑی
اُن سے پوچھا تھا بس عصا کیا ہے؟

ہوچکی ہے غزل مکمل کیا
پوچھ لیتا ہوں قافیہ کیا ہے

■

Manazir Hasan Shaheen
H.No.: 60, Millat Colony
Gaya - 823001 (Bihar)
hussainmanzir71957@gmail.com

علیم طاہر

ماحول کی پکار

آؤ مل کر عہد یہ دہرائیں
اپنی دھرتی کو سبز بنائیں
نیلا امبر، روشن تارے
ہم کو لگتے کتنے پیارے
صاف ہوا پر حق ہے سب کا
تحفہ ہے یہ اپنے رب کا
پیڑ لگاؤ، پھول کھلاؤ
خوشبو سے دنیا مہکاؤ
پیڑ ہمیں آکسیجن دیتے
دھوپ سے ہر دم یہی بچاتے
جب جنگل کم ہوتے جاتے
بادل بھی پھر پیٹھ دکھاتے
سوکھے کھیت اور پیاسی ندیا
دکھ میں ڈوبے گا من بھیا
دھواں فضا میں زہر گھلاتا
سانسوں کا دشمن بن جاتا
شور مچاتے یہ کارخانے
صوتی بیماری پھیلاتے

پانی کی ہر بوند بچاؤ
سب کو اس کی قدر جتاؤ
ندیا، جھرنے، تال سنبھالو
قدرت کے تحفے مت ٹالو
پنچھی، پھول، نظارے سارے
ان سے ہیں یہ رنگ ہمارے
اگر زمیں کو خوش رکھنا ہے
سبزہ ہر سو پھر کرنا ہے
آؤ مل کر کام یہ کر لیں
مستقبل کی جھولی بھر لیں
ہر آنگن میں ایک شجر ہو
پیار، امن اور سبز سفر ہو
سب اپنا ماحول سجائیں
سرسبز و شاداب بنائیں

■

Aleem Tahir
Momin Pura
Sr. No: 19, H. No: 51
Malegaon - 423203 (Maharashtra)
Mob.: 9623327923
aleemtahir12@gmail.com

نظمیں

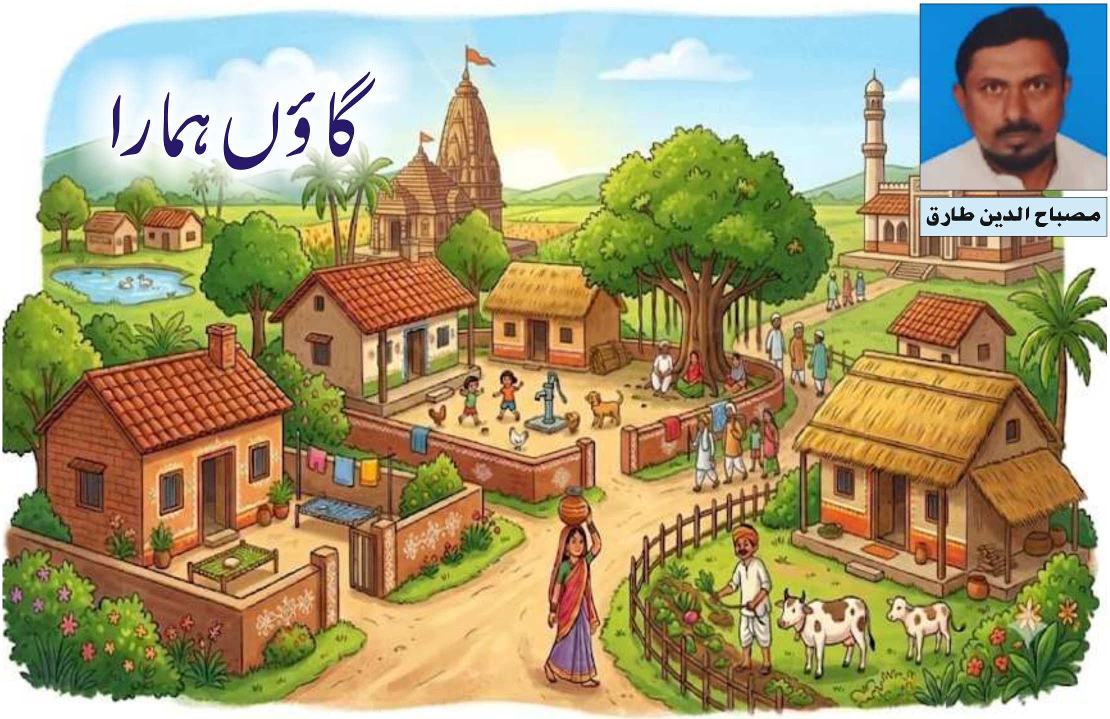

گاؤں ہمارا

مصباح الدین طارق

بہت خوبصورت ہے گاؤں ہمارا
وفا کی علامت ہے گاؤں ہمارا
وہ پنگھٹ پہ جھرمٹ وہ برگد کی چھاؤں
حقیقت میں ہے اپنا آدرش گاؤں
وہ جھرمٹ سے کووں کا منے کی چھت پر
وہ پیغام سجنا کا لائے کبوتر
وہ بارش کے پانی میں مینڈک کی ٹرٹر
ہے خرگوش کی اپنی ماندوں میں خر خر
وہ مندر کے گھنٹے اذاں کی صدائیں
وہ کثرت میں وحدت کی میٹھی ردائیں
وہ چڑیوں کی چہکار سے گونجے آنگن
برستا ہے ہر پل یاں ممتا کا ساون
وہ پریوں کے قصے وہ ساون کے جھولے
نہیں لڑتے شہباز سے یاں ممولے
وہ بارش کا پانی وہ مٹی کی خوشبو
اُدھر بن میں پھیلی ہے تلسی کی خوشبو
محبت، اخوت کا ہر سو سماں ہے
جو سچ پوچھو ہم سے تو جنت یہاں سے

■

Misbahuddin 'Tariq'
At+P.O: Luxmipur
Via- Chakand
Gaya - 804404 (Bihar)
Mob.: 9801996877
misbahuddin9801@gmail.com

ویڈیو کال نہیں کرنا ہے

عاتکه ماهین

ابھی میں چھوٹا بچہ ہوں
ماں کی گود میں رہتا ہوں
ہاتھ پاؤں ہیں چھوٹے چھوٹے
آنکھ مری نازک نازک
دنیا میں جب سے آیا ہوں
سب کے من کو بھایا ہوں
دادو ہوں یا نانو ہوں
خالہ ہوں یا پھوپھو ہوں
سب کا راج دلارا ہوں
خالہ، ماموں، چاچو، پھوپھو
مجھ سے دور سبھی رہتے ہیں
میری ایک جھلک پانے کو
ویڈیو کال سبھی کرتے ہیں

ماں تم ہی سمجھاؤ نا
آنکھ مری ہے نازک نازک
مجھ کو اس سے دکھ ہوتا ہے
ابھی میں چھوٹا بچہ ہوں
فون کو مجھ سے دور رکھو نا
ویڈیو کال نہیں کرنا ہے
ماں تم ہی سمجھاؤ نا
دور سبھی کیوں رہتے ہیں
سب کو پاس بلاؤ نا

■

Atika Maheen
Assistant Teacher
Allahabd (UP)
Mob.: 8171985485
atikaamahin@gmail.com

مقصود خاں علیگ

اتحاد

ایک دولت اتحاد
خوبصورت اتحاد
اس سے روشن گھر ہوا
یہ مسرت کا دیا
یہ بناتا کامران
اس سے بڑھتی اپنی شان
ایک ہوں گے جب بشر
سہل ہوگا ہر سفر
جب پرندے ایک تھے
ساتھ اڑے پھر جال کے
پھر شکاری پست تھا
ہر پرندہ مست تھا
ایکتا پھر عام ہو
چھوڑ دو ہر پھوٹ کو

ایکتا رکھتی ہے دم
ظلم پہ کرتی ستم
دیش کا چاہو بھلا
پھر لاؤ یہ دیا
یہ ہمارے ملک کی
روشنی ہے روشنی
یہ خوشی کا ایک جام
جس سے روشن ہر مقام
ایکتا اک نور ہے
خیر سے معمور ہے

■

Maqsood Khan
K-90, First Floor, Sarita Vihar
Near G D Goenka Public School
New Delhi -110076
Mob.: 8595687815
yedilmk@gmail.com

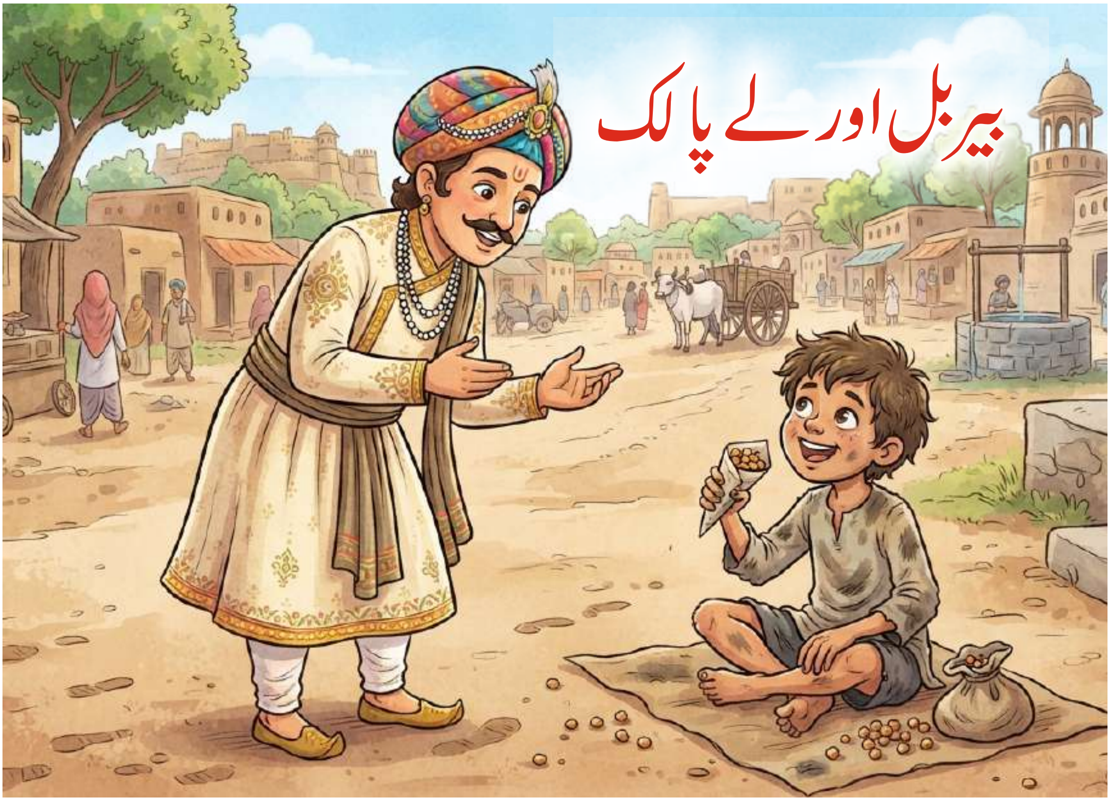

کہانیاں

بیربل اور لے پالک

ایک دن بیربل دربار سے گھر آرہے تھے کہ راستے میں انھیں ایک انتہائی غریب لڑکا نظر آیا جس کے پاس تھوڑے سے چنے تھے جنھیں وہ ایک ایک کرکے کھارہا تھا۔ بیربل نے لڑکے سے کہا: ”ایک ایک چنا کیوں کھارہے ہو۔ تھوڑے ہی تو ہیں ایک دو دفعہ میں ختم کرڈالو“۔ لڑکے نے نہایت ادب سے نیچی آواز میں کہا۔

”حضور کئی دن کا بھوکا ہوں۔ یہ مٹھی بھر چنے میرا پیٹ تو نہیں بھر سکتے۔ ایک ایک چنا اس لیے کھا رہا ہوں کہ پیٹ نہ بھرے تو کم از کم کچھ دیر کو تسلی تو رہے۔“

اس لڑکے کا ایسا معقول جواب بیربل کے دل پر اتنا اثر کر گیا کہ وہ اسی وقت اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے اور اسے پیٹ بھرا اچھے اچھے کھانے کھلائے اور جب وہ جانے لگا تو کہا اگر تمھارا کوئی ٹھکانہ نہ ہو تو میرے پاس ہی رہو۔

اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ اس بے سرا لڑکے کا اس دنیا میں کون تھا جو وہ ایسا رحم دل مالک اور ایسا آرام دہ گھر چھوڑ کر چلا جاتا؟ چنانچہ وہ یہیں رہ پڑا اور بیربل نے وہ سب دیا جو ایک لے پالک کو دیا جاتا ہے۔ چند ہی دن میں یہ سوکھا سہما لڑکا کسی بڑے گھر کا چراغ معلوم ہونے لگا۔

کہا جاتا ہے کہ اکبر اعظم اپنے درباریوں سے بعض اوقات بڑے ہی نرالے سوال پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن بیربل سے دریافت کیا کہ ”دنیا میں سب سے بڑی چیز کون سی ہے۔“ بیربل کچھ دیر تو سوچتے رہے پھر کہا ”جہاں پناہ! یہ سوال بڑا مشکل ہے مجھے کچھ وقت عنایت

فرمائیے۔'' بادشاہ نے کہا ''اچھا ہم تمھیں ایک ماہ کی مہلت دیتے ہیں، لیکن ایک شرط ہے اگر ایک مہینے میں تم نے معقول جواب نہیں دیا تو ہم تمھیں قتل کرادیں گے۔''

ہر روز بیربل دربار سے بہت خوش آیا کرتے تھے لیکن آج یہ حالت ہوگئی جیسے برسوں کے بیمار نظر آرہے تھے۔ دن رات اسی پریشانی اور سوچ بچار میں گزرنے لگے۔ بہت عقل لڑائی، بہت دماغ پر زور ڈالا لیکن سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ہوتے ہوتے مہینہ ختم ہونے کو آیا۔ خوف اور پریشانی میں بیربل پلنگ کو لگ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر لے پالک لڑکے نے پریشانی اور اداسی کی وجہ پوچھی تو بیربل نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا ''بیٹا کیا بتاؤں کل کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔'' لڑکے نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ ''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تب بیربل نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔'' سب کچھ سننے کے بعد لڑکے نے کہا ''یہ تو بڑا معمولی سوال ہے۔ آپ بادشاہ کے حضور میں کہہ دیجیے کہ دنیا میں سب سے بڑی چیز عقل ہے۔'' بیربل اس معقول جواب پر لڑکے کا منھ تکتے رہ گئے اور انھیں یقین ہوگیا کہ اب جان بچ جائے گی۔

وعدہ کے مطابق بیربل جب دربار میں پہنچے تو نہایت خوش تھے اور بادشاہ کے پوچھتے ہی کہہ دیا کہ دنیا میں سب سے بڑی چیز عقل ہے۔

اکبر بادشاہ بھی یہ جواب سن کر خوش ہوگیا، لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا سوال کردیا کہ ''عقل کھاتی کیا ہے۔'' اور شرط وہی پہلے سوال کی یعنی ایک مہینے کی مہلت۔ جواب نہ دینے پر قتل۔

بیربل اب کی بار دربار سے لوٹے تو ساری شوخی ختم ہوچکی تھی اور کئی دن کے بیمار نظر آرہے تھے۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے بیربل کا کھانا پینا چھوٹتا گیا۔ لڑکے کو جب بیربل کی کیفیت معلوم ہوئی تو اس لڑکے نے آتے ہی بیربل سے سوال کیا ''اب مہابلی نے کیا سوال کیا ہے؟'' بیربل دل ہی دل میں لڑکے کی دانش مندی پر حیران ہوئے اور کہا۔ بیٹے! بادشاہ نے پوچھا ہے عقل کی غذا کیا ہے۔ لڑکے نے بڑے ہی اطمینان سے کہا۔ کل آپ دربار میں کہہ دیجیے کہ ''عقل غم کھاتی ہے۔ غم وہی کھاتے ہیں جو عقل مند ہیں اور فکر بھی وہی کرتے ہیں جن کے سر میں دماغ ہے۔ جن کے دماغ اور عقل نہیں وہ غم نہیں کھاتے۔''

بیربل بے دم سے پڑے تھے۔ یہ جواب سنتے ہی بے چین سے ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے گویا مردہ جسم میں جان پڑ گئی۔

دوسرے دن جب دربار میں گئے تو چہرے پر وہی پرانی رونق تھی۔ اکبر اعظم دربار میں آتے ہی پوچھ بیٹھا ''بیربل ہمارے سوال کا جواب؟'' بیربل نے ہاتھ باندھ کر کہا ''بادشاہ سلامت دنیا میں سب سے بڑی چیز عقل ہے اور وہ غم کھاتی ہے۔''

اکبر اعظم اس جواب سے بے حد خوش ہوگیا اور بولا۔ اچھا بیربل اب یہ بتاؤ عقل پیتی کیا ہے؟ لیکن شرط وہی پہلے والی۔''

یہ سنتے ہی بیربل پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ سوچنے لگے کہ لڑکے نے دو دفعہ تو جان بچائی لیکن اس بار شاید وہ بھی ناکام ہو۔ مرتا کیا نہ کرتا آخر پھر اسی لڑکے کو بلا کر پوچھا کہ بیٹا دو مرتبہ تو تم نے ہماری جان بچائی اس سوال کا

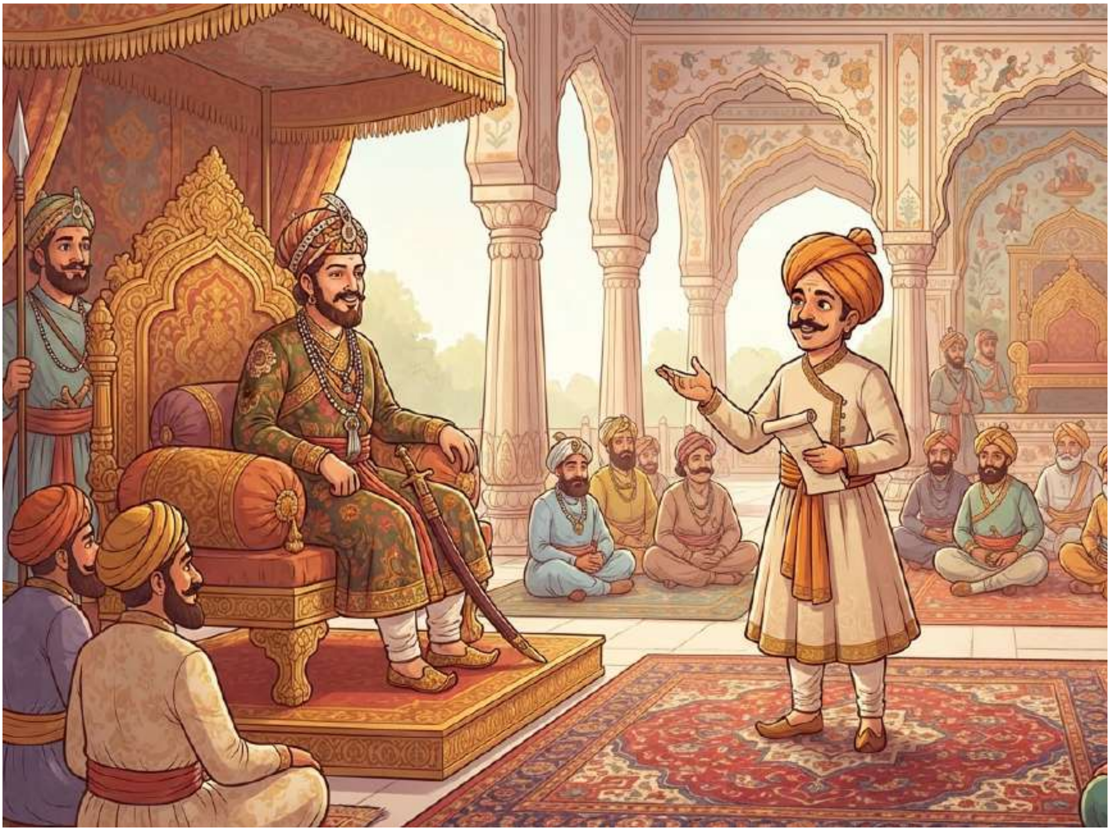

جواب بھی سوچو۔سوال ہے عقل پیتی کیا ہے؟ لڑکے نے کہا ''مہاراج آپ کیوں غم کھاتے ہیں کل کہہ دیجیے کہ عقل غصہ پیتی ہے۔غصہ وہی پیتا ہے جو عقل مند ہے۔ بیوقوف لوگ ذرا ذرا سی بات پر لڑتے رہتے ہیں۔'' بیربل یہ جواب سن کر پھڑک اٹھے اور دل میں کہا کہ یہ لڑکا کیا ہے مجسم عقل ہے۔ بڑے اطمینان سے بستر پر دراز ہوگئے۔ مہینے بھر سے یا تو سو نہیں سکے تھے یا اب ایسا سوئے کہ دوسرے دن دربار جانے کے لیے جگانا پڑا۔ تیار ہوکر بڑی شان سے دربار پہنچے اور بادشاہ کے پوچھنے سے پہلے ہی کہہ دیا کہ ''عقل غصہ پیتی ہے۔''

اکبر اس جواب سے پھڑک گیا اور کہا بیربل تم حقیقت میں عقل مند ہو۔ہم تمھارے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ اب ہمارے آخری سوال کا جواب بھی دے دو مگر یاد رہے شرط میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔سوال ہے ''عقل کی شکل کیا ہے؟''

بیربل کی جان عجیب مصیبت میں پھنسی تھی۔ایک مصیبت سے چھٹکارا پاتے تو دوسری گلے پڑ جاتی۔اس بار بیربل بڑے بڑے مصوروں کے پاس گئے اور کہا کہ اگر تم سے عقل کی تصویر بنانے کے لیے کہا جائے تو کیسی بناؤ گے؟ ہر مصور نے اپنی عقل کے مطابق عقل کی شکل بنائی لیکن بیربل کو کسی جواب سے تشفی نہیں ہوئی۔تھک ہار کر پھر اسی لے پالک سے پوچھا۔لڑکے نے کہا مہاراج

اس سوال کا جواب تو میں آپ کو دے نہیں سکتا۔ ہاں آپ سے دربار میں پوچھا جائے تو آپ کہہ دیجیے کہ اس سوال کا جواب میرا ملازم لڑکا دے گا۔

چنانچہ دوسرے دن دربار میں بیربل نے ایسا ہی کہہ دیا۔ حکم ملا کہ لڑکے کو فوراً حاضر کیا جائے۔ چنانچہ لڑکا دربار میں حاضر ہوا، لیکن شہزادوں کا سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے حاضر ہوتے ہی ادب سے جھک کر سلام کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اکبر نے پوچھا ''کیوں لڑکے! کیا تجھے معلوم ہے کہ عقل کی شکل کیسی ہے؟''

لڑکے نے نہایت ادب سے عرض کیا ''جی ہاں جہاں پناہ۔ مجھے معلوم ہے۔''

بادشاہ نے کہا ''ذرا ہمیں بھی بتاؤ۔''

لڑکے نے عرض کیا ''میں حضور کو اس کی شکل اس وقت دکھا سکتا ہوں جب سرکارِ عالی پہلے میری ایک درخواست منظور کر لیں۔''

بادشاہ نے تیوری پر بل ڈال کر کہا ''بتاؤ کیا درخواست ہے تمھاری!''

لڑکے نے کہا ''ظلِ الٰہی اس خادم کو صرف ایک گھنٹے کے لیے بادشاہی عنایت فرما دیں اور تمام درباریوں کو حکم دیں کہ وہ میری ہر بات اسی طرح مانیں جیسے آپ کا حکم بجا لاتے ہیں۔

اکبر اعظم پہلے تو کچھ دیر سوچتے رہے پھر تخت سے اتر آئے اور لڑکے کو تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے نے تخت پر بیٹھتے ہی کڑک کر کہا جلاد کو حاضر کیا جائے۔ جلاد فوراً ہی حاضر خدمت ہوا۔ لڑکے نے بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ شخص قاتل ہے اس لیے اس کی گردن اڑا دی جائے۔'' یہ سنتے ہی تمام درباری آپے سے باہر ہو گئے اور تلواریں نیام سے نکال لیں۔ لیکن لڑکے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اس نے اسی طرح گرجدار آواز میں کہا۔ میں تمھارا بادشاہ ہوں اور میری حکومت کی میعاد ایک گھنٹہ ہے اور ابھی ایک گھنٹہ پورا نہیں ہوا اس لیے تم لوگ مجھے کسی بات سے نہیں روک سکتے۔ بادشاہ سلامت خود گواہ ہیں۔''

اکبر نے تمام درباریوں کو ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ لڑکے نے جلاد سے مخاطب ہو کر کہا جلاد تم نے میرا حکم نہیں سنا۔'' اس کے بعد اکبر سے بولا ''آپ جلاد کے آگے گردن جھکا دیں۔'' اکبر نے گردن جھکا دی۔ تب لڑکا بولا ''دیکھ لیجیے خداوند۔ عقل کی شکل یہ ہوتی ہے۔ ایک غریب اور بے بس لڑکا، ہندوستان کے شہنشاہ پر حکم چلا رہا ہے۔ عقل اونچے رہنے والوں کو نیچے اور ادنیٰ لوگوں کو اوپر لاتی ہے۔''

اکبر بڑا ہی مردم شناس اور عقل مند لوگوں کی قدر کرنے والا تھا۔ لڑکے کے اس جواب نے اسے بہت زیادہ متاثر کیا۔ چنانچہ وہ خوش ہو کر بولا ''واقعی میرے سوال کا اس کمسن لڑکے نے بہت ہی معقول جواب دیا ہے۔'' جب بادشاہ خوش ہو تو بچو پھر سامنے والوں کا دامن انعامات سے بھر جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ چنانچہ بیربل اور ان کا لے پالک گودیاں بھر انعام پائے۔

■

ماخذ: بیربل کی شوخیاں، **مصنف:** ثریا جبیں
چوتھی طباعت: 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چالاک مگرمچھ اور عقلمند گیدڑ

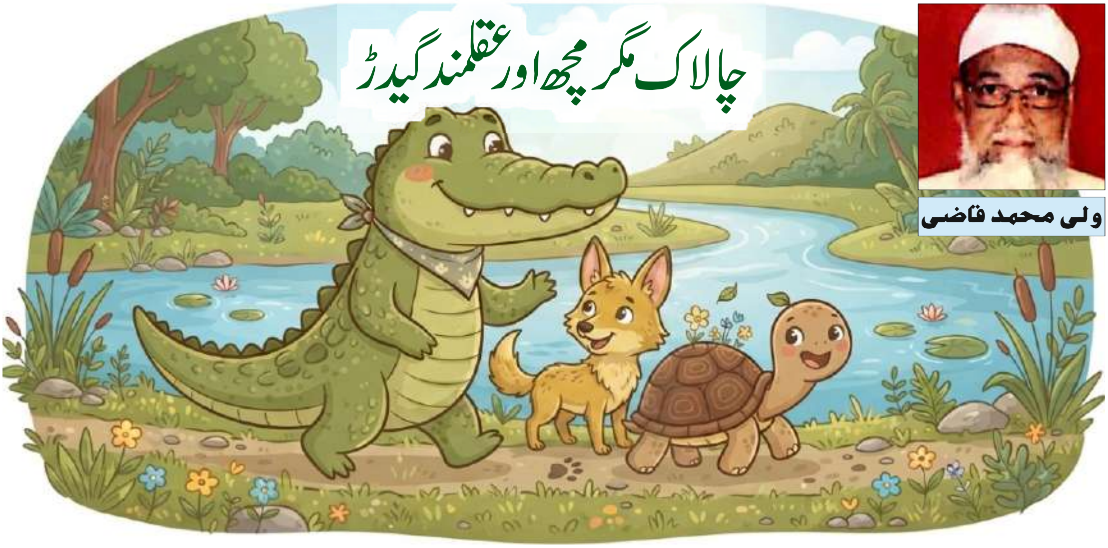

ولی محمد قاضی

پیارے بچو! تقریباً چھ سات دہائی پہلے ہندوستان میں گھنے جنگلات کی بھرمار تھی، لیکن سرکاری ترقیاتی منصوبے کے تحت ندیوں پر باندھ، جنگلات کی زمینوں پر کارخانوں کی تعمیرات وغیرہ کی وجہ سے اب ان میں کمی آگئی ہے۔ 1970 کے آغاز کی بات ہے چِپکو تحریک (Chipko Movement) نے زور پکڑا تھا۔ یہ تحریک ریاست اُتراکھنڈ سے شروع ہوئی تھی۔ جب سرکاری ٹھیکیدار جنگل میں درخت کاٹنے کے لیے آتے، تو اطراف رہنے والے دیہاتی باشندے خصوصاً خواتین کی کثیر تعداد حلقہ بنا کر پیڑوں سے چمٹ جاتی تاکہ پیڑوں پر کلہاڑی نہ چلے۔ ان خواتین میں گورادیوی کا نام عالمی سطح پر پہنچ گیا، جس نے جنگلات کو اپنی روزی روٹی اور زندگی کا اہم اثاثہ مان کر ان کی حفاظت کے لیے کمر کس لی۔ مزید اس تحریک کو تقویت بخشنے میں سندرلال بہوگنا اور چندی پرساد بھٹ جیسے سماجی کارکنوں نے بڑا کردار ادا کر کے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ سارے جہاں میں ماحولیاتی شعور کو اجاگر کر دیا۔ نتیجتاً حکومت نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے ہمالیہ پہاڑی علاقوں میں تجارتی بنیادوں پر مشتمل درختوں کی کٹائی پر روک لگا دی۔

یہ وہی وقت تھا جب جنگلات کو بچانے کے لیے عوام کی جانب سے آوازیں اٹھ رہی تھیں اور ماحولیاتی تحفظ کے لیے حفاظتی قدم اٹھانے پر زور دیا جا رہا تھا۔ بہرکیف یہ کہانی اسی دور کی ہے جب ہمارے وطن کے کسی جنگل کے وسطی علاقے میں صاف ستھرے اور چاندی جیسے چمکتے پانی سے بھرے تالاب میں چند بحری مخلوقات کے ساتھ ایک بھاری بھرکم جسامت والے مگرمچھ کا بسیرا تھا اور ایک عمر رسیدہ کچھوا بھی اس کا ہم نشین تھا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ صبح کے وقت دھند کے ساتھ سرگوشی کرنے والی سورج کی کرنوں میں وہ تالاب کے کنارے بیٹھ کر گپ شپ میں اپنا وقت گزار دیتے اور شام کو اندھیرے کی چادر تن جانے سے پہلے دوبارہ تالاب کے باہر آ کر آپس میں گفتگو کرنے لگ جاتے کہ حضرت انسان

نے ترقی کے نام پر کس طرح زمین کی فضا کو زہر آلود بنا دیا ہے۔ کبھی فرصت کے اوقات میں کچھوا خراماں خراماں چل کر جنگل کے اندرونی حصے میں جاتا، جہاں مختلف جانوروں نے اپنا ڈیرا جمایا تھا۔ وہاں ایک گیدڑ سے اس کی ملاقات ہوتی رہتی اور دونوں کو اپنی زندگی کے چند تلخ واقعات سنانے میں مزا آجاتا۔ مگر گیدڑ کے ساتھ یہ دوستی مگرمچھ جیسی خوشگوار اور پائیدار نہیں تھی۔ جب کچھوا وہاں سے تالاب واپس لوٹ آتا، تب وہ اپنے جگری دوست مگرمچھ کو تمام حالات سے باخبر کردیتا۔ ایک دن دونوں تالاب کے باہر بیٹھ کر باتیں کررہے تھے۔ اسی درمیان مگرمچھ نے اداس لہجے میں کچھوے سے کہا ”میرے دوست! آج کئی دِنوں سے تالاب کی چھوٹی موٹی مچھلیاں کھا کر دل اکتا گیا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ کسی جنگلی جانور کے گوشت سے میری ضیافت ہوجائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس تالاب کی طرف میری موجودگی کی وجہ سے کوئی جانور رخ نہیں کرتا اور میں ان کا شکار کرنے سے محروم رہ جاتا ہوں۔ لیکن میں نے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی ہے۔ کل سورج نکلنے کے بعد تالاب کے کنارے مرنے کا ڈھونگ رچا کر پڑا رہوں گا۔ تم کچھ پھول اور پتوں سے میرے سر کے نچلے جسمانی حصے کو ڈھانک دینا۔ جس سے مجھ میں ایک مردہ لاش کا روپ دکھائی دے۔ پھر جلدی سے گیدڑ کو یہ خبر پہنچا دینا کہ مگرمچھ مرگیا ہے، اس کی لاش تالاب کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ اب تو فوراً وہاں جاکر مگرمچھ کے گوشت سے لطف اندوز ہوکر تالاب کا پیٹ بھر پانی پی لے۔ کچھوے نے اپنے دوست کی بات مان لی اور جنگل میں جاکر گیدڑ کو مگرمچھ کے مرنے کی جھوٹی خبر پہنچادی۔ گیدڑ وہاں آنے کے بعد کوئی جلد بازی نہ کرتے ہوئے مگرمچھ سے دور کھڑا رہا اور حالات کا جائزہ لینے پر کچھوے سے کہا ”یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ مگرمچھ کی آنکھیں بند ہیں۔ حالانکہ کسی مرنے والی ذی حیات کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔“ یہ سنتے ہی مگرمچھ نے خود کو مردہ ثابت کرنے کے لیے آہستہ اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں اور یہی حرکت نے اس کے منصوبے کو ناکامیاب بنا دیا۔ گیدڑ کو بھی یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ مگرمچھ ایک خطرناک سازِش کے تحت مجھے مار دینا چاہ رہا ہے۔ کیونکہ اسے جانکاری تھی کہ مرنے کے بعد کوئی چرندہ، پرندہ یا جانور اپنے کسی اعضا کو حرکت دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آخر حقیقت کا راز افشا ہونے پر عقلمند گیدڑ اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔

اب بتاؤ بچو! یہ کہانی آپ کو کیسی لگی؟ اس کہانی کے اندر بہت ساری نصیحت کی باتیں چھپی ہوئی ہیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح عقلمند گیدڑ نے جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے مگرمچھ کے قریب آنے سے خود کو روک دیا اور حالات کا جائزہ لے کر مگرمچھ کی مکاری کو بھانپ لیا اور اپنی جان بچا کر جنگل واپس لوٹ آیا۔ غرض یہ کہانی ہمیں سبق سکھاتی ہے کہ زندگی میں ہمیشہ چوکنا رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا کے ہر موڑ پر خطرے ہیں اور ہر نکڑ پر خوف کے سائے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

■

Valimohammed Kazi
G-105, Tanwar Nagar
At & Po: Kausa, (Mumbra)
Dist: Thane - 400612(Maharashtra)
Mob.: 9819536063
vh_kazi@yahoo.com

زیبا فاروقی

امی کی واپسی

کچھ دنوں سے گھر میں بڑی چہل پہل تھی۔ دن بھر ملنے والے امی ابو کے پاس آتے رہتے۔ اکثر کھانے کی میز پر بھی مہمان موجود ہوتے۔ میاؤں کو یہ سب بہت ناگوار گزرتا تھا۔ خاص کر تب جب مہمان میاؤں کو گود میں اٹھا لیتے اور کہتے ''اہا! کتنی پیاری بلی ہے!'' بلی!!! امی تو مجھے راجا بیٹا کہتی ہیں۔ لیکن وہ بھی مہمانوں کے آگے ہنس کر کہتیں ''بلی نہیں بلوٹا ہے ہمارا میاؤں'' بس یہی بات میاؤں کو ناپسند تھی۔ اب ہم مہمانوں کے آگے راجا بیٹا سے بلوٹا ہوگئے۔ اسی لیے میاؤں کو مہمانوں کا یہاں آنا جانا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔

میاؤں آج کل امی سے ناراض رہنے لگے تھے۔ نہ تو انھیں میاؤں کو دلار کرنے کا زیادہ وقت ملتا تھا، نہ ہی انھیں گود میں لے کر گھماتی تھیں۔ بھلا اتنے لوگوں کو گھر بلانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ امی اپنی طرف سے میاؤں کی دلجوئی کی پوری کوشش کرتی تھیں۔ انھیں ایکسٹرا ٹریٹ فوڈ بھی دیتی تھیں۔ گود میں بھی لیتی تھیں، لیکن میاؤں تو دیر تک امی کی گود میں رہنے کے عادی تھے۔ آج کل اس کا موقع انھیں کم ہی ملتا تھا، یا تو کوئی آجاتا تھا یا امی کچھ سامان وغیرہ پیک کرتی رہتی تھیں۔

پھر ایک دن صبح صبح ہی امی ابو کہیں جانے کو تیار ہو چکے تھے۔ ان کا سامان اٹھا کر باہر کار میں رکھا جانے لگا۔ میاؤں کے ہوش اڑ گئے۔ وہ سفر کے نام سے بہت گھبراتے تھے۔ کار میں ان کا سر گھومنے لگتا تھا اور ذرا دیر میں الٹی بھی ہو جاتی تھی۔ اس لیے امی ابو کو کہیں بھی جانا ہو تو میاؤں چھپ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ان کو صوفے، بیڈ یا میز کے نیچے سے یا الماری کے پیچھے سے کھینچ کر نکالنا اور کار میں لے جانا ہر سفر سے پہلے بڑی جدوجہد کا کام ہوتا تھا۔

بڑے بڑے سوٹ کیس گھر سے نکلتے دیکھ میاؤں سمجھ گئے کہ کہیں جانے کی تیاری ہے۔ لہٰذا جلدی سے بھاگ کر الماری کے پیچھے گھس گئے۔ آج گھر میں غیر معمولی بھیڑ تھی، لوگ پھولوں کے ہار امی ابو کے گلے میں ڈال کر ان سے گلے مل رہے تھے۔ صبح تو امی نے میاؤں کو خوب سارا پیار کیا تھا، لیکن اب انھیں میاؤں کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ اس بھیڑ بھاڑ اور شور و غل کے درمیان ہی امی ابو رخصت ہو گئے۔

گھر میں آئے ہوئے سبھی مہمان بھی جا چکے تھے۔ دونوں بیٹے بھی امی ابو کے ساتھ چلے گئے۔ اب گھر میں صرف بہوئیں اور ان کے بچے رہ گئے تھے۔ بڑی دیر کے بعد میاؤں الماری کے پیچھے سے نکلے اور کھانے کی طرف لپکے۔ زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ انھوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ''اچھا یہ لوگ نہیں گئے ہیں۔ اس لیے میں بھی بچ گیا۔ لیکن پھر یہ لوگ اتنا سارا سامان کیوں لے

گئے ہیں۔''

میاؤں سمجھنے سے قاصر تھے۔ خیر انھیں یہ خوشی تھی کہ وہ سفر سے بچ گئے اور یہی کافی تھا۔

اگلے دن شام کو دونوں بھائی واپس آ گئے، لیکن امی ابو نہیں تھے۔ میاؤں لپک کر ان کے پاس گئے۔

''میاؤں میاؤں میاؤں۔ امی کہاں ہیں۔'' انھوں نے پوچھا۔ بڑے بھیا نے انھیں گود میں اٹھا لیا۔

''امی کی یاد آ رہی ہے میاؤں؟'' وہ کچھ دن بعد آئیں گی۔

میاؤں اداس ہو گئے۔ لیکن کیا کر سکتے تھے، صبر کر بیٹھ رہے۔

دو دن بیتے، چار دن، ہفتہ، عشرہ، پھر مہینہ بھی پورا ہونے کو آیا۔ لیکن امی نہیں آئیں۔ گھر والے روز امی ابو سے ویڈیو کال پر بات کرتے تھے۔ میاؤں کو بھی دکھاتے تھے، لیکن میاؤں کی سمجھ میں ویڈیو کال نہیں آتی تھی۔ اسکرین پر نظر آنے والی تصویریں انھیں بے جان لگتی تھیں۔ کبھی امی میاؤں کو آواز دیتیں تو وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھتے رہ جاتے۔

امی کو گئے ایک مہینے سے زائد ہو گیا تھا۔ اب میاؤں کو افسوس ہو رہا ہے کہ وہ اس دن سفر کے ڈر سے کیوں چھپ گئے تھے۔ کیا پتہ وہ نہ چھپتے تو امی ان کو ساتھ لے ہی جاتیں۔ بس امی ایک بار آ جائیں تو وہ پھر کبھی نہیں چھپیں گے۔ امی کے ساتھ ہی ساتھ ہر جگہ جایا کریں گے۔

بس امی جلدی سے آ جائیں۔ میاؤں دل ہی دل میں اللہ میاں سے دعا مانگا کرتے تھے۔ امی کے غم میں ان کا نہ کھانا کھانے کا من کرتا تھا نہ کھیلنے کا۔

پھر ایک دن انھوں نے دیکھا کہ گھر کو سجایا جا رہا ہے۔ اب میاؤں چھوٹے تھے۔ پڑھنا تو آتا نہیں تھا، لیکن چمکدار ہرے رنگ کے بینر پر بنے چاند ستارے انھیں بڑے اچھے لگے۔ ''یہ نیا پردہ چھوٹا تو ہے لیکن اچھا ہے۔'' انھوں نے من میں سوچا۔

صبح صبح سارے گھر والے دو گاڑیوں میں بھر کر کہیں چلے گئے۔ میاؤں کو کسی نے نہ پوچھا۔ میاؤں بیڈ کے کونے میں چپ چاپ پڑے رہے۔ امی تو انھیں اکیلے چھوڑ کر کبھی نہ جاتیں۔ ہائے امی کب آئیں گی۔

میاؤں نے دن بھر کچھ نہ کھایا نہ پیا، ان کے کھانے کا پیالہ یوں ہی بھرا رکھا رہا۔ میاؤں وہیں کونے میں سوتے رہے۔ شام کو دروازے کھلنے کی آواز آئی۔ میاؤں نے آنکھ کھول کر بھی نہ دیکھا۔ اونہہ۔ میں نہیں بولتا ان لوگوں سے۔ میری تو بس امی ہیں۔ امی سے بھی نہیں بولوں گا۔ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں اتنے دنوں کے لیے۔ ایسے بھی کوئی کرتا ہے بھلا۔ آئیں گی تو بات نہیں کروں گا میں۔

میاؤں یہی سب سوچ رہے تھے کہ اتنے میں آواز آئی۔

''میاؤں، میرا راجا بیٹا۔''

میاؤں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ امی! ارے یہ تو امی ہی تھیں۔ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ میاؤں لپک کر امی کی گود میں چڑھ گئے۔ کبھی نہ اترنے کے لیے۔

■

Zeba Farooqi
Assistant Professor
Mahatma Gandhi Girls Degree College
Firozabad - 283203 (UP)
zebarafi@gmail.com

مہرین فاطمہ

دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں

پرندوں کی چہچہاہٹ، ٹھنڈی ہوا، خوشگوار موسم اور صبح کا وقت تھا۔ باغ میں کوئی جاگنگ تو کوئی گپیں لگا رہا تھا۔ گپیں لگانے والوں میں پانچ بچے بھی شامل تھے۔ ان کے چہروں کی خوشی بتا رہی تھی کہ آج اتوار ہے۔

عنایہ، جو ہر وقت کچھ نہ کچھ شیخ چلی جیسی باتیں کرتی رہتی تھی، آج بھی اسی طرح کی باتیں کر رہی تھی۔ کل ہی اس نے اپنی گولڈن رنگ کی سائیکل کو 'سونے کی سائیکل' قرار دیا تھا۔ عنایہ پڑھائی سے زیادہ باتیں کرنے میں دلچسپی رکھتی تھی۔

''مجھے تم سب کو ایک راز کی بات بتانی ہے، لیکن وعدہ کرو کہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔'' وہ دھیمی آواز میں سب سے کہہ رہی تھی۔

علینہ اور علی گروپ میں نئے تھے، اس لیے انھیں عنایہ کی شیخ چلی باتوں کے بارے میں زیادہ معلوم نہ تھا۔ انھیں عنایہ کے گروپ میں شامل ہوئے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے، مگر وہ روز اس کی عجیب وغریب باتیں سننے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔

زین اور امان کو تو اس کی عادتوں کا اچھی طرح پتہ تھا، لیکن پھر بھی وہ اس کا دل رکھنے کے لیے اس کی باتیں سن لیتے تھے، کیونکہ عنایہ ان کی کزن تھی۔ اگر وہ اس کی باتیں نہ سنتے تو وہ گھر جا کر فوراً ان کی شکایت کر دیتی۔

''ہاں، بولو! ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔'' علینہ نے بیتابی ظاہر کرتے ہوئے کہا، جب کہ علی نے بھی اس کی بات میں ہامی بھر لی۔ زین اور امان کو تو ویسے بھی سننا ہی تھا۔ بیچارے کر بھی کیا سکتے تھے!

عنایہ نے رازدارانہ انداز میں کہا:

''مجھے ایک بڑی اہم بات معلوم ہوئی ہے کہ میرے دادا کے پاس بہت پیسے ہیں، میرے گھر والوں نے اب تک مجھ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔'' بات کرتے کرتے اس کی آواز دھیمی سے کچھ بلند ہوگئی۔

علینہ کو ایک لمحے کے لیے یقین ہی نہ آیا، مگر پھر بھی وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''عنایہ، آہستہ بولو... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

عنایہ ہنس کر بولی ''دیواروں کے منھ تو نہیں ہوتے نا!''

یہ سنتے ہی سب زور سے ہنس پڑے۔

ان بچوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایک شخص باغ کی دیوار سے کان لگائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ دیوار کے بالکل قریب کھڑے تھے، اگر وہ آہستہ بھی بولتے تو ان کی آواز آسانی سے دیوار کے اس پار بھی پہنچ جاتی۔

عنایہ نے مزید کہا ''میرے دادا نے پیسے دیوار میں بنے ایک خفیہ خانے میں چھپا رکھے ہیں، اور اس کی چابی سوتے وقت اپنے تکیے کے نیچے رکھتے ہیں۔''

اتنے میں عنایہ کی امی نے آواز لگائی ''عنایہ! چلو بیٹا!''

''اچھا، اللہ حافظ! باقی باتیں کل کریں گے۔'' عنایہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

''واہ! تم لوگ تو بہت امیر ہو!'' علی نے زین اور امان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمھیں لگتا ہے عنایہ سچ بول رہی ہے؟'' علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، مجھے لگتا ہے وہ ہمیشہ کی طرح بڑھا چڑھا کر بات کر رہی ہے۔ تم اسے بتانا مت کہ یہ میں نے کہا ہے اور اس کی سائیکل سونے کی نہیں، صرف گولڈن رنگ کی ہے!'' امان نے ہنستے ہوئے کہا۔

زین اور امان بھی پارک سے اپنی کلاسز کے لیے روانہ ہو گئے، جب کہ علی اور علینہ ابھی وہیں کھیل رہے تھے۔

ادھر عنایہ کو محسوس ہوا جیسے کوئی دبے پاؤں اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اس نے ایک بار مڑ کر پیچھے دیکھا، مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

گھر پہنچ کر اس کی امی نے ڈور بیل بجائی۔ عنایہ کو اب بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ان پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، مگر آس پاس کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ اور مسز احمد گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

''دادا! مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔'' عنایہ نے اچھلتے ہوئے کہا۔

دادا اور عنایہ لان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔

''ہاں پوچھو میری گڑیا!''

نعیم صاحب عنایہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ان کے گھر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ضدی، کام چور اور باتونی.... باقی صلاحیتوں کا اندازہ آپ لگا ہی سکتے ہیں۔

''آپ کے کمرے کی سفید دیوار میں کتنے پیسے ہیں؟'' یہ سنتے ہی نعیم صاحب کے ہاتھ سے گیند چھوٹ گئی۔ انھوں نے فوراً عنایہ کے منھ پر ہاتھ رکھا اور اسے ڈرائنگ روم کی طرف لے گئے۔

''عنایہ! آہستہ بولو، کوئی سن لے گا!'' مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ ایک شخص واقعی دیوار سے کان لگائے ان کی باتیں سن رہا ہے۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ مسافر منزل میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر شخص اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔

چہرے پر کالا کپڑا اوڑھے ایک شخص دبے پاؤں نعیم صاحب کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے تکیے کے نیچے سے چابی نکالی اور دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت نعیم صاحب غسل خانے میں تھے۔ اچانک نعیم صاحب کو کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔

''اف! یہ بلی بھی نہ... میرا سارا دودھ ختم کر دے گی!'' انھوں نے نل بند کرتے ہوئے کہا اور باہر آ گئے۔

''رک جاؤ!'' اچانک نعیم صاحب کی تیز گرجدار آواز سنائی دی۔ انھوں نے دیوار میں چھپی اپنی بندوق نکالی اور اس شخص کی طرف تان دی۔

وہ شخص فوراً مڑا اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

نعیم صاحب اسے بندوق کے زور پر باہر لے آئے اور اس کے چہرے سے کالا کپڑا ہٹا دیا۔

اتنے میں نعیم صاحب کے بیٹے، یعنی عنایہ کے والد احمد صاحب نے فوراً پولیس کو فون کیا۔ چند ہی منٹوں میں پولیس گھر پہنچ گئی۔

''لے جایئے اسے! اسی چور نے سب کی راتوں کی نینداڑا رکھی تھی۔'' نعیم صاحب نے غصے سے کہا۔

پولیس والے بولے ''شکریہ نعیم صاحب! ہم کافی دنوں سے اس چور کی تلاش میں تھے۔''

''یہ ہمیں بھی لوٹ لیتا اگر میں وقت پر نہ آتا۔ اچھا ہوا اسے میری موجودگی کا پتہ نہیں چلا۔'' نعیم صاحب نے فخر سے کہا۔

چور کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ عنایہ اب سارا واقعہ سمجھ چکی تھی۔

''اوہ! تو یہی شخص صبح ہمارا پیچھا کر رہا تھا!'' عنایہ اپنے دل میں سوچنے لگی۔

''شکر ہے ابا، آپ کو کچھ ہوا نہیں۔'' عنایہ نے فکرمندی سے کہا۔

''تمھارے ابا کے پاس بندوق بھی ہے اور اس کا لائسنس بھی۔ مجھے کچھ نہیں ہوسکتا!'' نعیم صاحب نے بندوق کندھے پر رکھتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔ پھر انھوں نے ایک نظر اٹھا کر عنایہ کی طرف دیکھا۔

''میں نے نہیں بتایا اپنے دوستوں کو...'' عنایہ جلدی سے بولی۔

یہ سنتے ہی نعیم صاحب کا قہقہہ بلند ہوا۔

زین اور امان کو اب واقعی یقین آ گیا تھا کہ عنایہ کی باتیں ہمیشہ جھوٹی نہیں ہوتیں۔

''وہ سچ کہہ رہی تھی!'' امان نے زین کے کان میں آہستہ سے کہا۔

''شکر ہے، کبھی تو اس نے سچ بولا!'' زین عنایہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''عنایہ! کتنی بار سمجھایا ہے کہ گھر کی باتیں باہر نہیں بتایا کرتے!'' احمد صاحب نے غصے سے کہا۔

''مجھے معاف کر دیجیے...'' عنایہ نے شرمندہ انداز میں جواب دیا۔

''اسی لیے کہتے ہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' نعیم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور کچھ لوگ تو چھپکلیوں کی طرح ہر وقت دیواروں سے چپکے رہتے ہیں، دوسروں کی باتیں سننے کے لیے!'' احمد صاحب نے ہنستے ہوئے کہا، اور پھر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

کمرے میں جاتے ہوئے عنایہ آہستہ سے دادا کے کان میں بولی: ''ویسے... آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ دیوار میں کتنے پیسے چھپائے ہیں؟''

نعیم صاحب نے بھی دھیمی آواز میں اس کے کان میں کہا:

''ستر لاکھ!'' عنایہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھنے لگی۔

''کسی کو بتانا مت... پتہ ہے نا، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں!''

■

Maherin Fatema
Beed by Pass Road
Aurangabad-431001 (Maharashtra)
maherinfatema8890@gmail.com

باتصویر کہانی

آخری قسط

انوکھے شکاری

مصنف: شمس الاسلام فاروقی

مصور: محمد خالد فاروقی

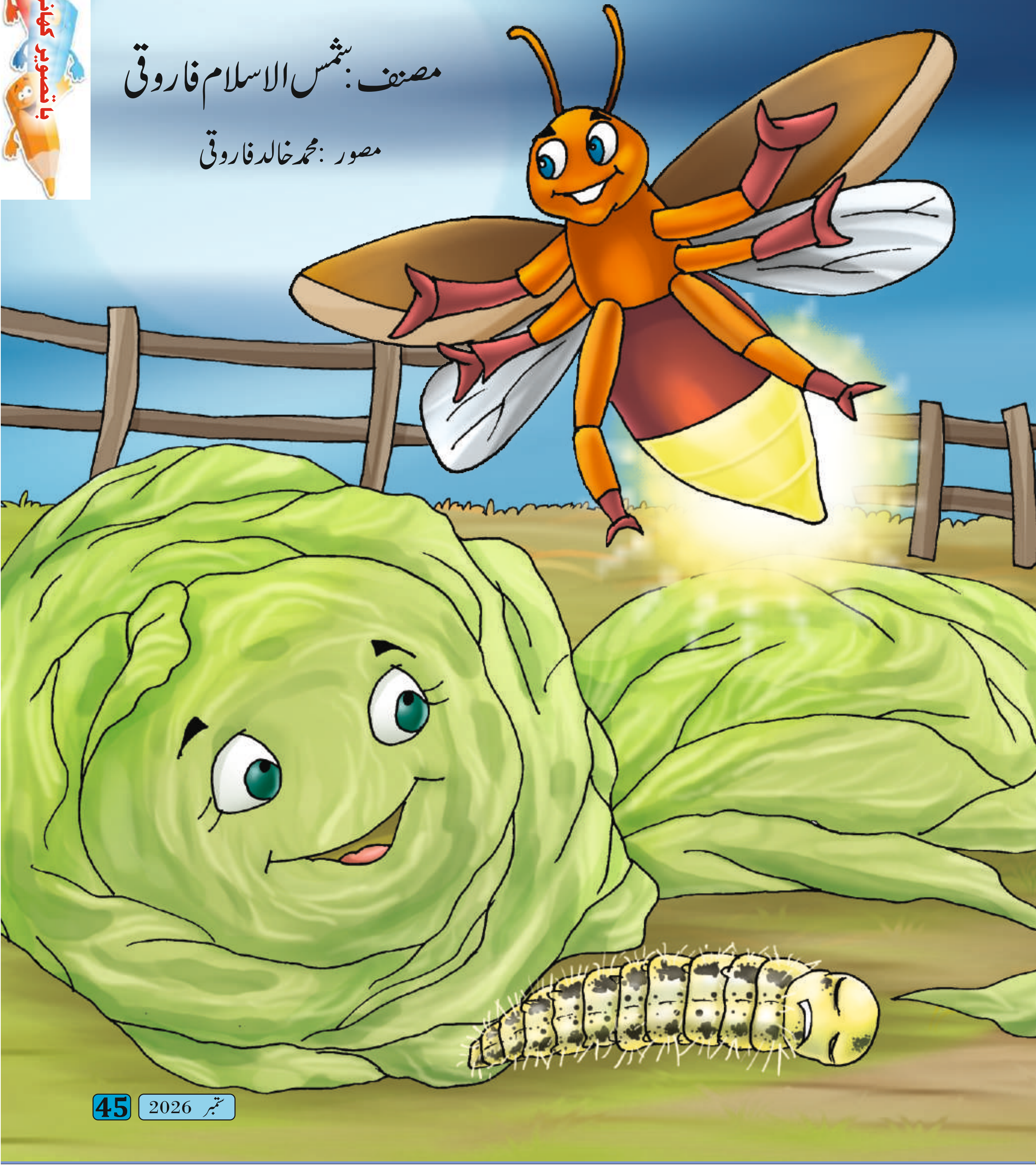

جگنو نے بہت حیرت سے پتّہ گوبھی کی بات سنی تب ہی اسے اس کے پتّوں کی نچلی سطح پر چھوٹے چھوٹے بھنگے جیسے کیڑوں کا ایک جھنڈ نظر آیا- جگنو نے پتّہ گوبھی سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بہت مسکرا کر جواب دیا:

"یہ کیڑے ایفڈس کہلاتے ہیں اور ان کا گزارہ میرے رس پر ہوتا ہے- ان کیڑوں کی ننھی ننھی باریک سونڈیں میرے پتّوں میں گھسی ہوئی ہیں اور وہ لگاتار میرا رس چوستے رہتے ہیں- یہ تھوڑے بیوقوف بھی ہیں کیونکہ انھیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کا پیٹ بھرا بھی یا نہیں-

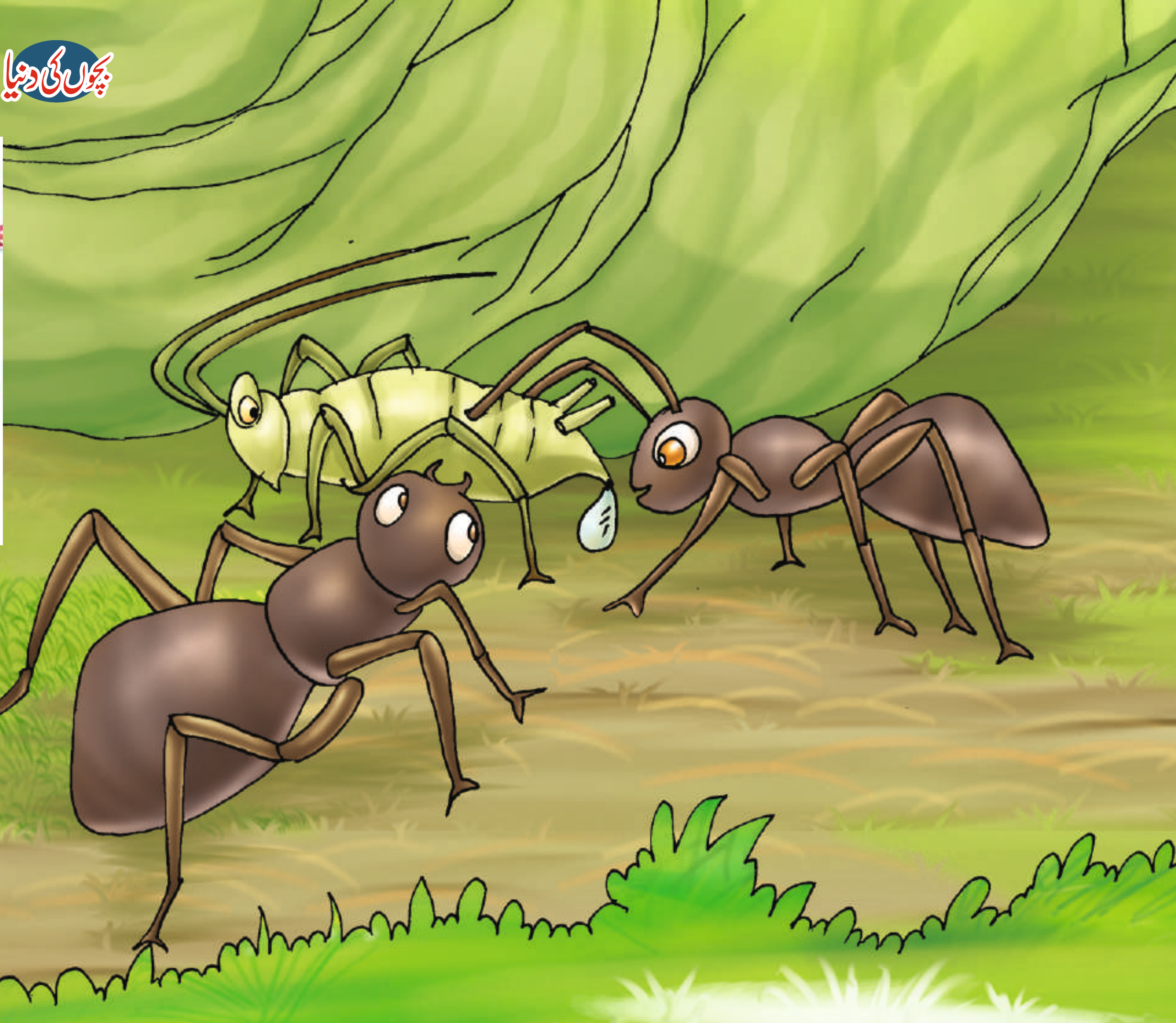

جب ان کے پیٹ میں زیادہ رس جمع ہو جاتا ہے اور یہ خوب موٹے ہو جاتے ہیں تب چالاک چیونٹیاں آ کر اپنی مونچھوں سے ان کا پیٹ گدگداتی ہیں جس سے یہ فالتو رس کا ایک قطرہ اپنے پچھلے حصّے سے باہر نکال دیتے ہیں جسے چیونٹیاں فوراً ہی پی جاتی ہیں۔ اس طرح میرے رس سے صرف ایفڈس ہی اپنا پیٹ نہیں بھرتے بلکہ چیونٹیاں بھی کچھ فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔ اس سے مجھے تکلیف تو ہوتی ہے مگر زیادہ نہیں ساتھ ہی خوشی بھی ہوتی ہے کہ میں کسی کے کام آیا۔

ہاں کبھی کبھی ان ایفڈس کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے تب میں سچ مچ بہت پریشان ہو جاتا ہوں مگر اللہ اس وقت بھی میری مدد کرتا ہے۔ اس وقت یہاں ایک قسم کی بٹن جیسی بیٹل جو کسی نیلا کہلاتی ہے اپنے گنڈار جیسے بچوں کے ساتھ آتی ہے اور بہت کم وقت میں انھیں کھا کھا کر ان کی تعداد کو کم کر دیتی ہے۔"

13

اس کے بعد جگنو نے واپسی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کی نظر گوبھی کے پتّے کے ایک کنارے پر پڑی جہاں اسے چھوٹی چھوٹی سفید گولیوں کا ایک ڈھیر نظر آیا ۔اس نے گوبھی سے جاننا چاہا کہ یہ کیا کوڑا کباڑ ہے جو اس نے جمع کر رکھا ہے۔

تب پتّہ گوبھی نے بتایا:

"یہ اس پروانے کے انڈے ہیں جس کا لاروا میرے پتّوں کو چبا رہا تھا— میں بہت ڈر رہا تھا کہ ان انڈوں سے جب ڈھیروں کیٹر پلرس نکلیں گے تو میرا کیا حال بنائیں گے— شاید زندہ ہی نہ چھوڑیں۔

مگر واہ ری اللہ کی قدرت کہ اس نے ایک چیونٹی کی شکل کا پردار مگر بہت ہی چھوٹا سا ایک کیڑا بھیج دیا جس کا نام ٹرائیکوگریما تھا۔ اس نے سب ہی انڈوں پر اپنے انڈے دے ڈالے۔ کچھ ہی دن بعد ان انڈوں سے پروانے کے کیٹرپلرس کی جگہ ٹرائیکوگریما کے بچے نکل نکل کر اڑ گئے اور میں نے چین کی سانس لی۔"

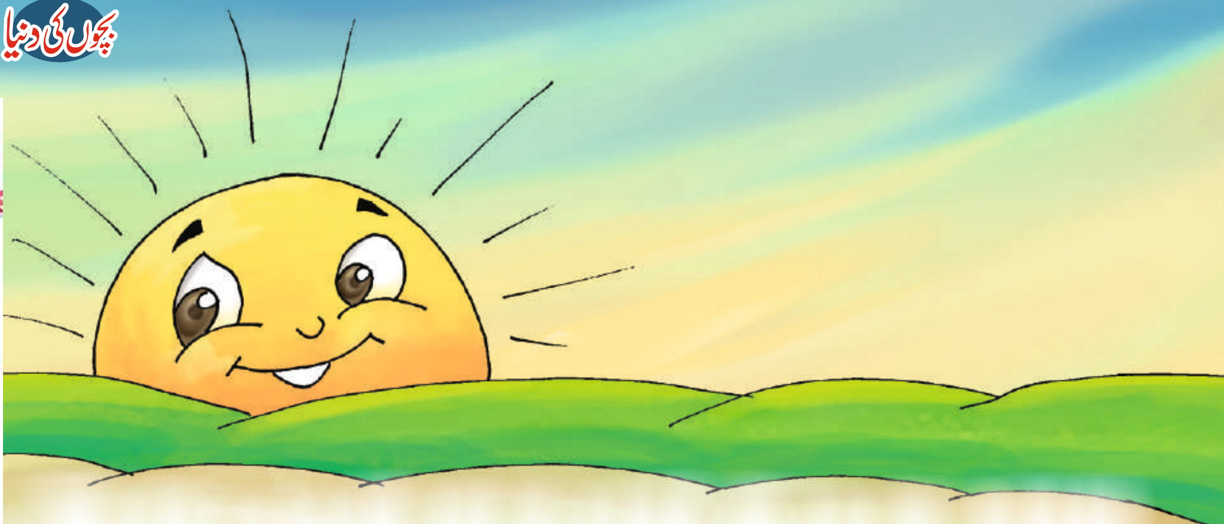

گوبھی کی دلچسپ باتیں سننے کے بعد جگنو اپنے گھر کی طرف چل پڑا کیونکہ دن نکل آیا تھا اور اسے نیند بھی آ رہی تھی۔ جاتے جاتے وہ سوچ رہا تھی کہ اسے، دوسرے کیڑوں اور گوبھی کو پیدا کرنے والا بھی کتنا مہربان ہے جس نے نہ صرف قسم قسم کے جاندار پیدا کیے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ذریعے ان کے کھانے کا ایسا انتظام بھی کیا ہے کہ کسی جاندار کی تعداد اتنی نہ بڑھ جائے کہ دوسروں کے لیے مصیبت پیدا کر دے۔

ختم شد .....

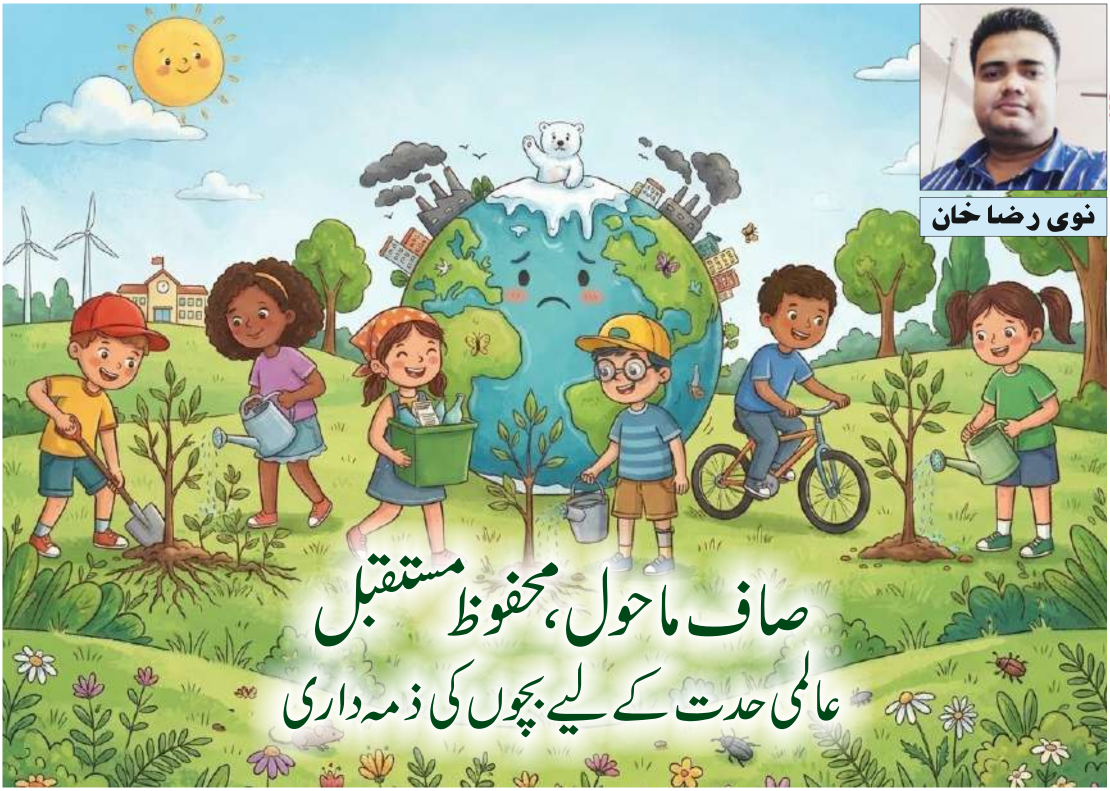

نوی رضا خان

صاف ماحول، محفوظ مستقبل

عالمی حدت کے لیے بچوں کی ذمہ داری

موجودہ دور کئی چیلنجز سے گھرا ہوا ہے۔ ان میں سب سے سنگین اور عالمی چیلنج 'عالمی حدت' ہے۔ زمین کا بڑھتا ہوا درجہ حرارت نہ صرف ماحول کے لیے خطرہ ہے بلکہ انسانی زندگی کے ساتھ اس زمین میں پائے جانے والے تمام جانداروں، جانوروں اور پرندوں کے لیے بہت خطرناک ہے۔ آج، دنیا کے بیشتر ممالک موسمیاتی تبدیلی کے منفی اثرات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کہیں شدید گرمی ہوتی ہے، کہیں بے قاعدہ بارش ہوتی ہے، کہیں سیلاب ہوتا ہے اور کہیں خشک سالی ہوتی ہے۔ یہ حالات بچوں پر سب سے زیادہ اثر ڈالتے ہیں۔

صاف ماحول ہر بچے کا حق ہے۔ صاف ہوا، صاف پانی، بہتر ماحول اور محفوظ آب و ہوا بچوں کی صحت مند جسمانی، ذہنی اور سماجی نشو و نما کے لیے ضروری ہے۔ اگر ماحول آلودہ ہو جائے اور عالمی حدت کا مسئلہ بڑھ جائے تو آنے والی نسلوں کی زندگیاں خطرناک ہو جائیں گی۔ لہٰذا، ماحولیاتی شعور اور بچوں میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

عالمی حدت کا مطلب

عالمی حدت کا مطلب ہے زمین کے اوسط درجہ حرارت میں مسلسل اضافہ۔ یہ اضافہ بنیادی طور پر گرین ہاؤس گیسوں کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، نائٹرس آکسائیڈ وغیرہ جیسی گیسیں زمین کی سطح سے نکلنے والی حرارت کو فضا میں قید کر لیتی ہیں، جس کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت بڑھنا شروع ہو

جاتا ہے۔اس عمل کو گرین ہاؤس ایفیکٹ کہا جاتا ہے۔

صنعتی ترقی، جنگلات کی کٹائی، گاڑیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، فوسل فیولز کا حد سے زیادہ استعمال، اور بڑھتی ہوئی آلودگی عالمی درجہ حرارت میں اضافے کی بڑی وجوہات ہیں۔سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ اگر موجودہ صورت حال بھی آج جیسی رہی تو آنے والی دہائیوں میں زمین کا درجہ حرارت خطرناک سطح تک پہنچ سکتا ہے۔

عالمی حدت کے مضر اثرات

عالمی درجہ حرارت میں اضافے کا اثر صرف بڑھتے ہوئے درجہ حرارت تک محدود نہیں ہے۔اس کے نتائج وسیع اور دوررس ہیں۔

موسمیاتی تبدیلی: بارش کے نمونوں میں تبدیلیاں، خشک سالی، سیلاب، سائیکلونز، اور طوفانوں کی بڑھتی ہوئی موجودگی موسمیاتی تبدیلی کی اہم علامات ہیں۔یہ آفات بچوں کی تعلیم اور زندگیوں پر براہ راست اثر ڈالتی ہیں۔

پانی کا بحران: درجہ حرارت میں اضافے کی وجہ سے گلیشیئرز پگھل رہے ہیں اور زیر زمین پانی کی سطح مسلسل کم ہو رہی ہے۔صاف پینے کے پانی کی دستیابی مستقبل میں ایک سنگین مسئلہ بن سکتی ہے۔

صحت کے مسائل: فضائی آلودگی اور بڑھتی ہوئی گرمی بچوں میں سانس کی بیماریوں، الرجی، دمہ، ہیٹ اسٹروک اور دیگر صحت کے مسائل کا باعث بنتی ہے۔

خوراک کی حفاظت کو لاحق خطرات: موسمیاتی تبدیلی زرعی پیداوار کو متاثر کرتی ہے۔یہ خوراک کے بحران کا باعث بن سکتا ہے، جو بچوں کی غذائیت پر سب سے زیادہ اثر ڈالے گا۔

حیاتیاتی تنوع کا نقصان: بہت سے جانور، پرندے اور نباتات ختم ہونے کے دہانے پر ہیں۔یہ ماحولیاتی توازن کو خراب کر رہا ہے۔

عالمی حدت کے بچوں پر اثرات

بچے کسی بھی قوم کے لیے ایک انمول اثاثہ ہیں۔ان کی صحت مند اور محفوظ ترقی قوم کے روشن مستقبل کی بنیاد ہے۔لیکن عالمی حدت بچوں کی زندگیوں کو کئی طریقوں سے متاثر کر رہی ہے۔

شدید گرمی کی وجہ سے بچوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔کئی علاقوں میں گرمی کی وجہ سے اسکول بند کرنے پڑتے ہیں۔قدرتی آفات کے وقت بچوں کی تعلیم متاثر ہوتی ہے۔اس کے علاوہ، آلودہ ماحول بچوں کی جسمانی اور ذہنی صحت پر منفی اثر ڈالتا ہے۔

بہت سی بین الاقوامی تنظیمیں، جن میں یونیسف بھی شامل ہے، نے خبردار کیا ہے کہ ماحولیاتی تبدیلی سے بچے سب سے زیادہ متاثر ہوں گے۔

ماحولیاتی تحفظ میں بچوں کا کردار

معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے بچوں کے اندر بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔اگر انھیں صحیح سمت اور مواقع فراہم کیے جائیں تو وہ ماحولیاتی تحفظ کے لیے بہت مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

درختوں کی شجرکاری: درخت ماحول کے حقیقی محافظ ہیں۔بچے اس مہم میں حصہ لے کر ہرا بھرا ماحول بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پانی کی بچت: بچوں کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ پانی کو جمع کریں، پھر اس کو استعمال میں لانے کے طریقے سیکھیں

اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔

حفظان صحت: گھر، اسکول اور عوامی مقامات کی صفائی کو برقرار رکھنا ماحولیاتی تحفظ کی بنیاد ہے۔ صفائی آلودگی کو کم کرنے میں مددگار ہے۔

توانائی کا تحفظ: غیر ضروری بجلی اور ایندھن کی کھپت کو کم کر کے، بچے توانائی کی بچت میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اسکولوں اور اساتذہ کا کردار

اسکول ماحولیاتی تعلیم کے لیے سب سے موثر پلیٹ فارم ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلبا میں ماحولیات کے تعلق سے بیداری پیدا کریں۔

نیشنل ایجوکیشن پالیسی 2020 میں طلبا میں ماحولیاتی شعور کی ترقی، پائیدار ترقی اور ذمہ دار شہریت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ تعلیم کا مقصد صرف علم دینا نہیں بلکہ ذمہ دار شہریوں کو تیار کرنا بھی ہے۔

خاندان اور معاشرے کا کردار

خاندان بچوں کے رویے اور عادات پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔ اگر والدین ماحولیاتی تحفظ کا شعور رکھتے ہیں تو بچے بھی ان سے سیکھیں۔

صاف ماحول اور محفوظ مستقبل

صاف ماحول صرف موجودہ نسل کی ضرورت نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کی بھی ضرورت ہے۔ اگر ہم آج ماحول کے تحفظ کے لیے ٹھوس اور مثبت قدم اٹھیں گے، تو آنے والے وقت میں بچوں کو صحت مند زندگی، صاف ہوا، صاف پانی اور محفوظ موسم ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔

صاف ماحول اور محفوظ مستقبل کا خواب تبھی پورا ہوگا جب بچے آج سے ہی ماحولیاتی تحفظ کے لیے سرگرم ہوجائیں۔ بچے صرف مستقبل کے شہری نہیں بلکہ حال کی تبدیلی لانے والی صلاحیت اور طاقت بھی ان کے اندر موجود ہے۔ لہٰذا، ہمیں بچوں کو ماحول کا دوست، فطرت کا محافظ اور زمین کا ذمہ دار شہری بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ آنے والی نسلوں کے لیے سب سے بڑا تحفہ ہوگا۔

■

Navi Raza Khan
Research Scholar
College of Teacher Education (MANUU)
Darbhanga- 846001 (Bihar)
Mob.: 9304099184

جواب

1. 5 اکتوبر
2. 5 ستمبر، ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کی یاد میں
3. عزت مآب پر ہلا دجوشی
4. الشریف الادریسی
5. ابن خلدون
6. ماہر فلکیات، فلسفی اور طبیب کے طور پر
7. 1994
8. بھارت کے دوسرے صدر جمہوریہ اور استاذ
9. 5 ستمبر 1888، تمل ناڈو
10. 5 ستمبر 1962
11. ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن
12. گوتم بدھ
13. چانکیہ
14. 24
15. رابندر ناتھ ٹیگور
16. 1954
17. سرسید احمد خاں
18. سائنس اور انجینئرنگ کی وجہ سے
19. 427 عیسوی میں
20. 1958

عبدالمجید مکرو

گہری سانس کے فوائد

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے لازمی اجزا ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپروائی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

پیارے بچو! آپ کو چاہیے کہ پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ آپ اپنی صحت پر بھی توجہ دیں۔ ماہرین صحت کے مطابق گہری سانس لینا ایک سادہ مگر موثر طریقہ ہے جو نہ صرف انسان کو ذہنی سکون فراہم کرتا ہے بلکہ مجموعی صحت کو بھی بہتر بناتا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق یہ عمل جسم میں کئی مثبت تبدیلیاں لاتا ہے جس میں مدافعتی نظام کی مضبوطی اور نظام ہاضمہ کی بہتری شامل ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ گہری سانس لینے سے ذہنی دباؤ اور بے چینی میں کمی آتی ہے۔ جب ایک انسان تناؤ کا شکار ہوتا ہے تو گہری سانس لینا پیراسمپے تھیٹک نروس سسٹم (Parasympathetic Nervous System) کو متحرک کرتا ہے جو جسم کو پرسکون بناتا ہے، Gives Relaxation Body اور فائٹ یا فلائٹ ردعمل کو ختم کرتا ہے۔ اس عمل سے بلڈ پریشر (Blood Pressure) کم ہوتا ہے دل کی دھڑکن متوازن ہوتی ہے اور سکون کا احساس بڑھتا ہے۔ گہری سانس ذہنی صحت پر بھی مثبت اثر ڈالتی ہے۔ یہ ذہن کو آرام دیتی ہے اور توجہ میں اضافہ کرتی ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جب کام کا دباؤ زیادہ ہو یا انسان بے چینی محسوس کر رہا ہو۔ ماہرین کے مطابق یہ عمل مدافعتی نظام کو بھی مضبوط بناتا ہے اور سفید خون کے خلیات میں اضافہ کرتا ہے جو جسم کو

بیماریوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
سانس کی بیماریوں میں مبتلا افراد کے لیے بھی یہ فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ اسے پھیپھڑے (Lungs) زیادہ پھیلتے ہیں اور آکسیجن کا حصول بہتر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گہری سانس بہتر نیند میں بھی معاون اور مددگار ہے۔ جو افراد نیند کے مسائل کا شکار ہیں وہ سونے سے پہلے اس مشق کے ذریعے جسم کو پرسکون بنا سکتے ہیں۔

ماہرین صحت کا مزید کہنا ہے کہ یہ عمل نظام ہاضمہ کو بھی بہتر بناتا ہے کیونکہ تناؤ ہاضمے کے عمل کو بہتر کرتا ہے۔
گہری سانس لینے کے لیے ماہرین سادہ طریقہ تجویز کرتے ہیں جیسے کہ آرام دہ حالت میں بیٹھیں یا لیٹ جائیں۔ کندھوں کو ڈھیلا رکھیں، ناک کے ذریعے آہستہ آہستہ گہری سانس لیں، چند لمحے روکیں اور پھر منھ (Mouth) کے ذریعے آہستہ سانس خارج کردیں۔ اس عمل کو چند منٹ تک دہرایا جاسکتا ہے۔ صبح سویرے چہل قدمی کریں اور لمبے لمبے سانس لیں۔ صبح Breakfast کرنے سے پہلے یہ عمل متواتر بلاناغہ کریں اور پھر ناشتہ کریں۔ یقیناً آپ کی صحت بنی رہے گی اور آپ اپنے جسم میں تبدیلی محسوس کریں گے۔ یاد رکھیں کہ تندرستی ہزار نعمت ہے۔

■

Abdul Majeed Makrow
S/o Mr A B Gani Makrow
R/O Arwani, Kulgam
Block: Quimah
District: Anantnag
Bijbehada- 192124 (J&K)
Mob.: 9899964508

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نوعمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ (ادارہ)

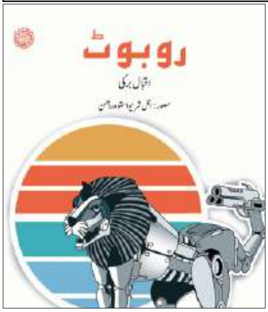

روبوٹ

مصنف: اقبال برکی
صفحات: 32، قیمت: 40/روپے، سنہ اشاعت: 2026
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: شاداب شمیم، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 25

سائنس اور ٹیکنالوجی نے آج کی دنیا میں زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) اور روبوٹکس سائنسی تجربات کے ساتھ روزمرہ زندگی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں بچوں کے لیے ایسی کہانیوں کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے جو ان کے اندر سائنسی تجسس پیدا کریں اور انھیں نئی دنیا سے روشناس کرائیں۔ اقبال برکی کی کتاب 'روبوٹ' اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ یہ کتاب 12 سے 18 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے اور دلچسپ انداز میں سائنس، تخیل اور اخلاقی اقدار کو یکجا کرتی ہے۔ کتاب کی دلکش تصویریں اتل شریواستو وردھن نے بنائی ہیں، جو کہانی کو مزید جاندار بنا دیتی ہیں۔

کہانی کا مرکزی کردار حارث ایک ذہین، محنتی اور تجسس رکھنے والا طالب علم ہے۔ وہ کالج میں الیکٹرانکس کا طالب علم ہے اور بچپن ہی سے الیکٹرانک پرزوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس دلچسپی کی بنیادی وجہ اس کا گھریلو ماحول ہے، کیونکہ اس کے والد بھی الیکٹرانکس سے وابستہ ہیں۔ حارث اکثر اپنے والد کے ساتھ رہتے ہوئے مختلف پرزوں کو دیکھتا، ان کے نام سیکھتا اور ان سے نئی نئی چیزیں بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی شوق آگے چل کر اسے ایک ایسا شیر نما روبوٹ بنانے میں کامیاب کرتا ہے جو نہ صرف چل سکتا ہے بلکہ انسانوں کی آواز پہچان کر ان سے گفتگو بھی کرتا ہے۔

مصنف نے حارث کی کامیابی کو کسی اتفاق یا جادو کا نتیجہ نہیں بنایا بلکہ مسلسل محنت، لگن اور سیکھنے کے جذبے کا ثمر قرار دیا ہے۔ یہی اس کہانی کا سب سے مضبوط پہلو ہے۔ اس کے ذریعے مصنف بچوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کامیابی صرف خواب دیکھنے سے نہیں بلکہ مستقل کوشش سے حاصل ہوتی ہے۔

کہانی اس وقت مزید دلچسپ ہو جاتی ہے جب حارث کے اس منفرد کارنامے کی خبر پورے شہر میں پھیل جاتی ہے۔ میونسپل انتظامیہ اس کی حوصلہ افزائی کے لیے انعام دینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسی موقعے پر ایک معروف مصور کی تجویز پر شہر کے فنکاروں کی تصویری نمائش بھی منعقد کی جاتی ہے۔ اس طرح مصنف نے نہایت خوبصورتی

سے سائنس اور فن کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ہے۔

کتاب کا سب سے اہم اور یادگار منظر وہ ہے جب تقریب کے دوران شہر کے صدر روبوٹ سے گفتگو کرتے ہیں۔ روبوٹ نہ صرف ان کے سوالات کا جواب دیتا ہے بلکہ اپنے اندر چھپی ہوئی نایاب صلاحیتوں سے بھی واقف کراتا ہے۔

اقبال برکی کی زبان نہایت سادہ، رواں اور بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہے۔ غیر ضروری پیچیدہ الفاظ یا مشکل سائنسی اصطلاحات سے گریز کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے کہانی ابتدا سے آخر تک دلچسپی برقرار رکھتی ہے۔ مکالمے فطری ہیں اور واقعات میں تسلسل پایا جاتا ہے، اس لیے قاری کسی مرحلے پر اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ کتاب کی تصویریں بھی اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ اتل شریواستو وردھن نے خاص طور پر شیر نما روبوٹ کی ایسی موثر تصویر کشی کی ہے کہ بچے اسے آسانی سے اپنے ذہن میں زندہ محسوس کرتے ہیں۔ رنگوں کا انتخاب اور تصویروں کی ترتیب کہانی کے ماحول کو مزید پرکشش بنا دیتی ہے۔

اگرچہ کتاب اور اس کا مواد مجموعی طور پر شاندار ہے، تاہم بعض مقامات پر روبوٹ کی تیاری کے سائنسی مراحل کو تھوڑا اور تفصیل سے بیان کیا جاتا تو سائنس میں دلچسپی رکھنے والے بچوں کے لیے یہ مزید معلوماتی بن سکتی تھی۔ اس کے باوجود کہانی کی روانی اور دلچسپی پر اس کا کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

’روبوٹ‘ صرف ایک دلچسپ سائنسی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسے اشاعتی منصوبے کا حصہ ہے جس کا مقصد نئی نسل کی ذہنی نشوونما، تخلیقی صلاحیتوں کی آبیاری اور ان کے خوابوں کو نئی پرواز دینا ہے۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے بچوں کے لیے معیاری اور عصری ادب تخلیق کرنے کے عزم کے ساتھ 18 تا 20 ستمبر 2024 کو ادبِ اطفال ورکشاپ کا انعقاد کیا۔ اس ورکشاپ میں بچوں کی نفسیات، دلچسپیوں اور عمر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ممتاز ادیبوں اور تخلیق کاروں کے تعاون سے معلومات افزا اور دلچسپ کہانیاں تیار کی گئیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی اسی ورکشاپ سیریز کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں تفریح کے ساتھ ساتھ سائنسی شعور، تخلیقی فکر اور مثبت اقدار کو فروغ دینے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

مختصراً، ’روبوٹ‘ ایک ایسی دلچسپ اور فکر انگیز کتاب ہے جو بچوں کو صرف تفریح فراہم نہیں کرتی بلکہ انھیں سائنس سے محبت، سائنس کو اپنانے کی ترغیب، تخلیقی سوچ، والدین کی رہنمائی کی قدر اور انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کے احساسات کا احترام کرنا بھی سکھاتی ہے۔ اقبال برکی نے ایک جدید موضوع کو بچوں کی زبان میں کامیابی سے پیش کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب نوجوان قارئین میں سائنسی شعور اور تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرے گی اور قارئین اسے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں گے۔

■

Dr. Shadab Shamim
Shaheen Bagh
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 9643885605
E-mail: shadabrampuri@gmail.com

جنرل نالج

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔ (ادارہ)

1. ورلڈ ٹیچرس ڈے یعنی عالمی یوم اساتذہ کب منایا جاتا ہے۔
2. ہندوستان میں یوم اساتذہ کب اور کس کی یاد میں منایا جاتا ہے؟
3. ہندوستان کے موجودہ وزیر تعلیم کا نام بتائیں؟
4. دنیا کا پہلا تفصیلی عالمی نقشہ بنانے والے جغرافیہ داں کون ہیں؟
5. دنیا کے پہلے ماہر عمرانیات (Sociologist) کون تھے؟
6. ابن باجہ کو دنیا ان کے کس کارنامے کی وجہ سے جانتی ہے؟
7. یونیسکو (UNESCO) کی جانب سے عالمی سطح پر ٹیچرس ڈے کا آغاز کس سنہ میں کیا گیا تھا؟
8. ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کون تھے؟
9. ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی تھی؟
10. بھارت میں پہلی بار یوم اساتذہ کب منایا گیا؟
11. ''تعلیم ایک ایسا ہنر وفن ہے جو انسان کو مشکل حالات کے خلاف لڑنا سکھاتا ہے؟'' یہ کس کا قول ہے؟
12. ''آپ کا دشمن آپ کا سب سے بڑا استاد ہوسکتا ہے'' یہ کس کا قول ہے؟
13. ''کوئی بھی استاد کبھی معمولی نہیں ہوتا، تعمیر اور تخریب اس کی گود میں پلتے ہیں'' یہ کس کا قول ہے؟
14. ہندوستان میں کتنی زبانوں کو سرکاری مراعات حاصل ہیں؟
15. شانتی نکیتن میں وشو بھارتی یونیورسٹی کی بنیاد کس نے رکھی؟
16. ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کو بھارت رتن کب ملا؟
17. علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی کون ہیں؟
18. انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (IISc) بنگلورو کس وجہ سے جانی جاتی ہے؟
19. نالندہ یونیورسٹی کب قائم ہوئی تھی؟
20. یوم اساتذہ کے موقعے پر ہندوستان میں دیے جانے والے قومی اعزاز یعنی نیشنل ایوارڈ ٹو ٹیچرز کا آغاز کس سنہ میں ہوا تھا؟

(جواب صفحہ نمبر 54 پر ملاحظہ فرمائیں)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

شاگرد ہیں ہم میر سے استاد کے راسخ
استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا

—راسخ عظیم آبادی

ہے اور علم و ادب مکتب محبت میں
کہ ہے وہاں کا معلم جدا ادیب جدا

—شیخ ابراہیم ذوق

استاد کے احسان کا کر شکر منیر آج
کی اہل سخن نے تری تعریف بڑی بات

—منیر شکوہ آبادی

ادب تعلیم کا جوہر ہے زیور ہے جوانی کا
وہی شاگرد ہیں جو خدمت استاد کرتے ہیں

—برج نرائن چکبست

اب مجھے مانیں یا نہ مانیں اے حفیظ
مانتے ہیں سب مرے استاد کو

—حفیظ جونپوری

کس طرح امانت نہ رہوں غم سے میں دلگیر
آنکھوں میں پھرا کرتی ہے استاد کی صورت

—امانت لکھنوی

مجھ سے جو چاہیے وہ درس بصیرت لیجیے
میں خود آواز ہوں میری کوئی آواز نہیں

—اصغر گونڈوی

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

—نامعلوم

رہبر بھی یہ ہمدم بھی یہ غم خوار ہمارے
استاد یہ قوموں کے ہیں معمار ہمارے

—محمد اسداللہ

مرے افکار بدلے جو وہی استاد ہو میرا
مہارت ہو جسے فن پر وہی نقاد ہو میرا

—مبارک لون

صدف ناز بلال احمد، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

علیشہ محمد رئیس چودھری، درجہ پنجم المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

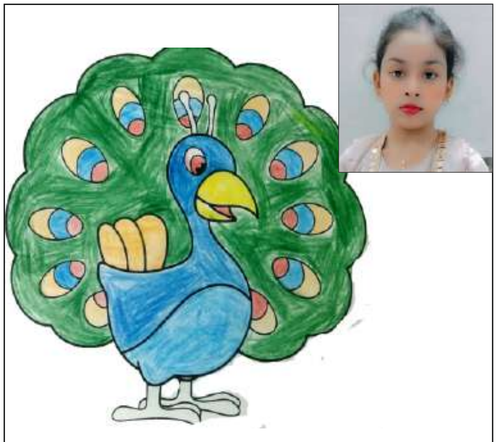

بریرہ مشہود، درجہ پنجم، بلوہلس انٹرنیشنل اسکول، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی

شفاء عظیم خان، درجہ دہم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

ضحیٰ سراج الدین چودھری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

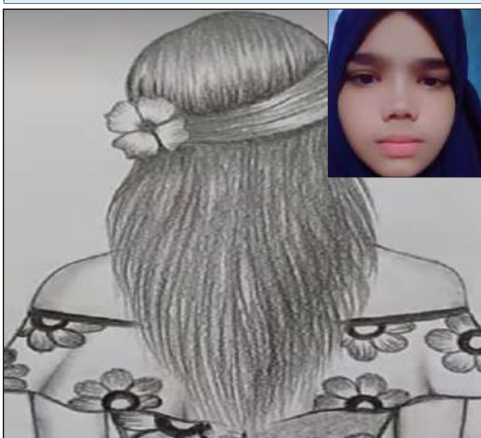

تنویر فاطمہ شیخ الطاف، درجہ ششم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

شرمین ثنا سید، درجہ ششم، ملت ہائی اسکول مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

آیت عبدالواحد چودھری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پواربستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

ارسلان احمد، درجہ کے جی دوم، ہیریٹیج انٹرنیشنل اسکول، ناگپور، مہاراشٹر

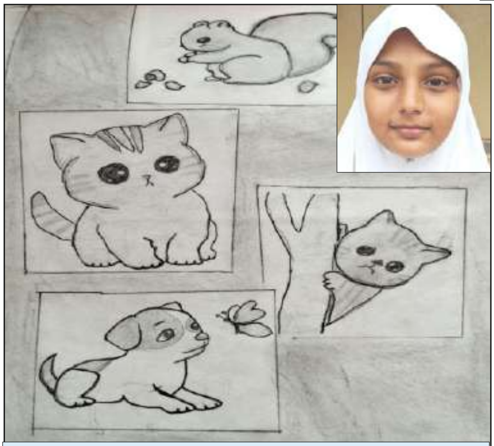

زینب الطاف خاتک، درجہ ششم، ملت ہائی اسکول مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

رومانہ عامر خسرو دیشمکھ، درجہ ششم، ملت ہائی اسکول مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

فاطمہ الیاس قادری، درجہ چہارم، مبلغ انگلش اسکول، بیڑ، مہاراشٹر

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ھے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آ گہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, सितंबर 2026, वर्ष 14, अंक 09
BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2026 Vol. 14, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

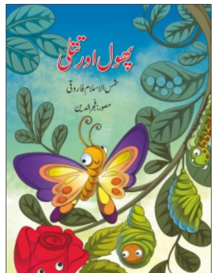

صفحات:12، قیمت:25 روپے

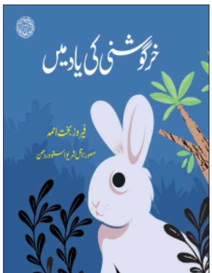

صفحات: 30، قیمت: 45 روپے

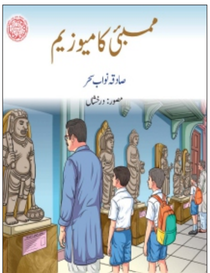

صفحات: 32، قیمت: 45 روپے

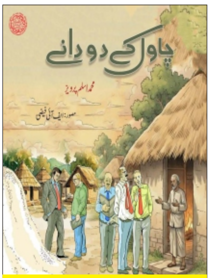

صفحات: 28، قیمت: 45 روپے

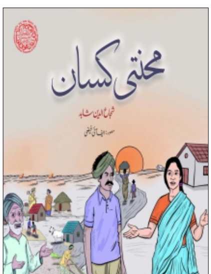

صفحات: 24، قیمت: 40 روپے

صفحات:16، قیمت: 30 روپے

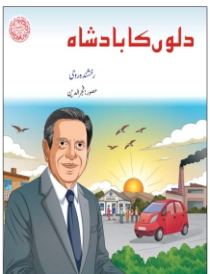

صفحات: :20، قیمت: 35 روپے

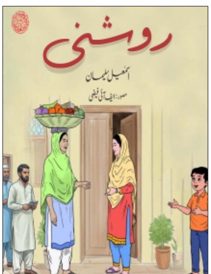

صفحات : 16، قیمت:30 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.